ماہنامہ

حیاتِ نو

"آپ یقین فرمائیں کہ ایک شیطانی طاقت دنیا میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرسکتی ہے، میں خدا کے بھروسے پر اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوچکا ہوں، لہٰذا جو کچھ سامنے آتا ہے، وہ میری توقعات سے کم ہی ہوتا ہے، اور میرے ارادے پر اس کا اتنا بھی اثر نہیں ہوتا، جتنا کسی چٹان پر مچھر کے حملے کا ہوتا ہے۔

(محمدؒ مودودیؒ)

ماہنامہ "حیاتِ نو"، بلریا گنج، اعظم گڈھ، یو۔پی
مطبوعہ نشاط پریس ٹانڈہ

ماھنامہ
حیاتِ نو

جلد ۳ —— شمارہ ۲

ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ فروری سنہ ۱۹۸۰ء

مجلس ادارت

اعتبار احمد فلاحی، مدیر مسئول (بلریا گنج)

نسیم احمد غازی فلاحی (دہلی)

رضوان احمد فلاحی (مدینہ منورہ)

جاوید اشرف فلاحی (جامعۃ الفلاح)

عبید اللہ فہد فلاحی (")

قیمت فی شمارہ :- ایک روپیہ ۵۰ پیسے

سالانہ زر تعاون :- پندرہ روپے۔

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ براہ کرم سالانہ زر تعاون مبلغ پندرہ روپے ۱۵/ ارسال فرما کر مشکور فرمائیں —— (ادارہ)

اس شمارہ میں

دو ٹوک باتیں :——

کانچ کے کھلونے

ادارہ ۱

یادوں کی برات :——

مجدد مودودیؒ کی یاد میں

ابو محمد امام الدین ۸

اربابِ تقویٰ کے حضور میں :-

آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر ہے؟

ابو عمیر بلریا گنج ۳۷

بارگاہ تقدس میں

ادارہ ۴

اور مولانا مودودیؒ رات بھر سو نہ سکے

ایک پرانا کتبہ ۱۷

دار المطالعہ :——

عبادت و خدمت

عبدالحکیم ایم اے بی ایڈ ۲۸

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ

ادارہ ۲

الجھا الجھا :——

افغانستان میں شیعہ سنی متحد ہو گئے

عبدالہادی احمد ۲۹

دل پگھل پگھل گیا :-

دعوت کی راہ صدق یقیں

ش شمیم بستوی ۶

یہ خون ناحق نہیں ہے رائگاں

ارشاد احمد مخدومی ۱۶

گفتنی

کانچ کے کھلونے

افغانستان میں روس نے براہِ راست فوجی مداخلت کر کے، عالمی مسلّمہ اصولوں کو بری طرح پامال کر دیا ہے۔ روس کے اس اقدام پر وہ تمام اصولی و اخلاقی اقدار چکنا چور ہو گئے ہیں جن کی خود بھی عرصۂ عام میں وہ حمایت کرتا رہا ہے، مگر اب خود ہی اس نے اپنے ہاتھوں ان تمام اصولوں کے سینے میں خنجر اتارنا شروع کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ہی انصاف پسند ممالک نے روس کے اس جارحانہ اور غاصبانہ اقدام پر پُرزور احتجاج کیا ہے۔

بظاہر یہ حالات ہیں، لیکن سوچنے کا ایک موقف یہ بھی ہے کہ روس تو اسلام دشمنی کا علی الاعلان اظہار کر رہا ہے، اور افغانستان میں اسلام کی لہر کو فوجی قوت سے دبانے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہے، لیکن امریکہ افغانستان کے معاملہ میں سہل انگاری سے کام کیوں لے رہا ہے؟ بہت دنوں تک تو اس نے بس خاموش تماشائی کا پارٹ ادا کیا اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو اقدامات کے بجائے زبانی ہمدردی اور بیانات سے کام لے رہا ہے، آخر کیوں؟ اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ روس اور امریکہ دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ افغانستان میں اسلام کے برسرِ اقتدار آنے، اور ایران میں اندرونی استحکام اور پاکستان کے سیاسی سلجھاؤ کے بعد ان کا متحدہ بلاک بن سکتا ہے جو روسی اور امریکی بلاکوں کے لئے یکساں نقصان دہ ہو گا! یہی وجہ ہے کہ ایران نے کہا ہے کہ وہاں روس کی مداخلت تمام عالمِ اسلام کے خلاف ایک معاندانہ اقدام ہے، بہرحال یہ سازشیں کامیاب نہیں ہو سکتیں، کیونکہ ہمارا حامی و ناصر وہ خدا ہے جو ساری کائنات کو اپنے قبضۂ قدرت میں لئے ہوئے ہے، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَبِهِ نَسْتَعِيْنُ۔

★★★

ایک طرف دنیا کی اسلام دشمنی کا یہ حال ہے، دوسری طرف اسلامی محاذ کا انتشار اور تفرقہ بھی قابلِ افسوس ہے، یہاں اب بھی ایک دوسرے کو ضال و مضل ٹھہرانے کی کوشش نہ صرف یہ کہ باقی ہے، بلکہ تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ حال ہی میں ایک دین دار بزرگ نے تحریکِ اسلامی کے قائد و بانی پر جس طرح حملے کئے ہیں وہ افسوسناک بھی ہے اور قابلِ عبرت و نصیحت بھی، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ روس نے اگر افغانستان میں فوجی مداخلت کر کے عالمی اصولوں اور بین الاقوامی بقائے باہمی کے اصول کو چکنا چور کر دیا ہے تو ان دینی دار بزرگ نے ضلالت و کفر کو قائدِ تحریک پر تھوپ کے اپنی خدا ترسی و دینداری کو کانچ کے کھلونے ثابت کرنے میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے؟

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

رئیس المنافقین

عبداللہ بن ابی کا جنازہ

(قرآن کے آئینے میں)

> ترجمان القرآن لاہور ماہ نومبر کے شمارہ میں عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کے سلسلے میں محترم ملک غلام علی صاحب کا ایک مضمون آیا ہے، جس کو پڑھنے کے بعد سورۂ توبہ کی روشنی میں چند وضاحتیں ضروری معلوم ہوئیں، امید ہے کہ اہل علم حضرات میری ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔ (ادارہ)

رئیس المنافقین کی موت کب ہوئی، اور اس کے علاوہ رسول کے وفادار مخلص بیٹے عبداللہ نے آپ سے اس کے کفن میں شامل کرنے کے لیے قمیص مانگی یا نہیں؟ اور نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی یا نہیں، اور یہ کہ نبی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی یا نہیں؟ ان چند سوالات کے سلسلے میں سب سے زیادہ مستند بیان سورۂ توبہ کی وہ آیات فراہم کرتی ہیں، جو غزوۂ تبوک سے متعلق ہیں۔

غزوۂ تبوک سے پہلے کی لڑائیوں کے مواقع پر حضورؐ کا یہ معمول تھا کہ آپ عمومی انداز میں اپیل کرتے تھے، جو لوگ جنگ میں شرکت کرنا چاہتے، شریک ہوتے اور جو نہ چاہتے، نہ جاتے۔ غزوۂ تبوک وہ پہلا غزوہ ہے، جس میں آپ نے صاف صاف لوگوں کو بتایا کہ روم کی بڑی طاقت سے مقابلہ درپیش ہے، جس سے جلد تبوک کو کوچ کرنا ہے اور عام قابل جنگ لوگوں کی شرکت لازمی ہے، صرف بچے، عورتیں بوڑھے اور بیمار لوگ مستثنیٰ ہیں۔

اس نفیر عام کے اعلان سے منافقین بڑی پریشانی میں پڑ گئے، اس سے پہلے وہ کچھ مال دے کر اپنی اسلام پسندی کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اس بار ان کو اپنی زوال کھلی نظر آئی؛ انھوں نے حضورؐ کے سامنے آ آ کر مختلف مجبوریاں پیش کیں، اور آپ نے رحمت و شفقت کی بنا پر ان کو تبوک نہ جانے کی رخصت دے دی، ایک طرف مخلص اہل ایمان زور و شور سے جنگ کی تیاریوں میں مشغول رہے اور دوسری طرف یہ منافقین چور دروازوں کی تلاش میں رہے؛ ان حالات میں سورۂ توبہ کی ۳۸ – ۱۰ آیتیں نازل ہوئیں، جن میں اشتعال غیرت کے ذریعہ

شریک ہونے والوں کی زجر و توبیخ کی گئی، اور نبی نے جن لوگوں کو اجازت دے دی تھی، ان کی اجازت منسوخ کر دی اور یہ اعلان کیا گیا کہ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے، ان کا پیسہ نہیں لیا جائے گا، اور آخر میں ان کے لئے استغفار کرنے سے نبی کو روک دیا گیا۔

یہ آیات ہیں ۳۸ تا ۸۰ جو تبوک کی تیاری کے زمانے میں نازل ہوئیں، ان میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جو یہ بتائے کہ وہ نبی کے محاذ جنگ پر تشریف لے جانے کے بعد نازل ہوئی ہے، صرف آیت ۸۱ بتاتی ہے کہ نبی اور ان کے مجاہد ساتھی تبوک کو روانہ ہو چکے ہیں، اسی لئے نظم کلام کے مطابق ہمارے نزدیک ۸۱ تا ۱۱۷ آیات تبوک سے واپسی پر مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئیں، چنانچہ فرمایا:-

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

یعنی وہ لوگ جو پیچھے کر دئے گئے، رسول اللہ کے محاذ جنگ پر چلے جانے کے بعد بہت خوش ہو رہے ہیں، انھوں نے اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کیا ہے، بلکہ اس سے بڑھکر جرم یہ کیا کہ جہاد میں جانے والوں کو شدید گرمی سے ڈرا کر اپنے گھروں سے نکلنے سے روکا ہے، اس کے بعد آیت ۸۲ میں ارشاد ہوا۔ "اب ان لوگوں کو ہنسنا نصیب نہ ہوگا، انھیں اب رونا ہے" پھر آیت ۸۳ میں فرمایا کہ "ان منافقوں کو یقین ہے کہ رومی نبی اور ان کے ساتھیوں کو فنا کر دیں گے، ان کو مدینہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اے پیغمبر! اگر اللہ ان کی خواہش کے خلاف بخیریت تمھیں مدینہ واپس لائے اور پھر یہ کسی لڑائی میں جانے کی اجازت مانگیں تو ان سے کہہ دینا کہ تم اب میرے ساتھ ہرگز نہیں نکل سکو گے، اور نہ میری معیت میں دشمن سے جنگ کر سکو گے، ہم تمھیں لڑائی میں ساتھ لے چلنے پر تیار نہیں ہیں۔

پھر آیت ۸۴ میں فرمایا کہ ان میں سے جو کوئی مر جائے تو اے پیغمبر! آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا و استغفار کریں، یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ یہ

آیتیں تبوک جانے کے بعد، مدینہ واپس پہنچنے سے پہلے سفر تبوک میں نازل ہوئیں۔

اس کے بعد آیت ۹۴ ملاحظہ فرمائیے جس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ مدنی منافقین اور دیہات کے منافقین تم مسلمانوں کے پاس آکر جھوٹے عذر تراشیں گے، جب تم ان کے پاس لوٹ کے آؤ گے، تو کہہ دینا، تم لوگ عذر مت کرو، ہم تمھاری بات نہیں مانیں گے، اللہ تعالیٰ نے تمھارے اسرار کا پردہ فاش کر دیا ہے۔

پھر آیت ۹۵ میں فرمایا کہ جب تم ان کے پاس لوٹ کر آؤ گے، تو یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم لوگ ان کی اس غلطی کو معاف کر دو، تو اے مسلمانو! تم ان سے بالکلیہ بے رخی برتنا، کیونکہ یہ گندے لوگ ہیں، یہ اسلامی معاشرہ میں رہنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان کا مستقل ٹھکانا جہنم ہے۔

مزید آیت ۹۶ میں ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! یہ تمھارے پاس آکر قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم لوگ ان سے خوش ہو جاؤ، تو اگر تم ان سے خوش ہو گئے تو خدا کے غضب کو دعوت دو گے، کیونکہ اللہ ان عناد، عہد شکن اور باغی لوگوں سے خوش ہونے والا نہیں ہے۔

ان تمام آیتوں پر تدبر کی نگاہ ڈالئے! یہ صاف صاف کہہ رہی ہیں، کہ مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی ہیں، جن میں ہدایت دی گئی ہے، کہ اب کوئی مرحلہ جہاد آئے، تو ان کو شریک جنگ نہ کرنا، اور ان میں جو کوئی مر جائے، تو اسکی نماز جنازہ مت پڑھنا، اور نہ ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر دعا و استغفار کرنا۔

اس پر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیرت نگار کہتے ہیں کہ رئیس المنافقین تبوک سے واپسی کے تھوڑے دنوں بعد مرا، اس کے مرنے کے بعد، اس کے بیٹے، جو مخلص مسلمانوں میں سے تھے، حضورؐ سے اس کے کفن میں شامل کرنے کے لئے کرتا مانگا، اور نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، اگر تبوک سے

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

بارگاہِ تقدس میں

ایک دفعہ حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کو کوفے کے کچھ سبائی لوگ ملنے آئے اور باتوں باتوں میں انھوں نے حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہم کی مذمت شروع کر دی۔ سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ :-

"کیا تم لوگ ان مہاجرین اولین کے اس پہلے گروہ میں سے ہو، جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ :-

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

ترجمہ :- وہ لوگ جو اپنے گھروں، وطنوں، جائداد اور مال و متاع سے اس لئے محروم کر کے الگ سے نکالے گئے تھے کیونکہ وہ اللہ کی رضامندی اور فضل و کرم کے چاہنے والے تھے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر طرح مدد کرتے تھے اور صرف یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں"۔

وہ کوفی سبائی بولے کہ ہم ان مہاجرین مکہ میں تو شامل نہیں۔

پھر حضرت زین العابدین نے پوچھا کہ "اچھا کیا تم مدینہ کے انصار کے اس دوسرے گروہ میں شامل ہو جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ :-

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ
مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ

وہ لوگ جنھوں نے اپنے گھروں اور مالوں کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور ان کی آرزو یہی تھی کہ مکے کے مہاجرین ان کے گھروں پر آ بسیں (تو یہ لوگ انصار مدینہ تھے)"۔

وہ لوگ پھر بولے کہ نہیں، ہم انصار مدینہ کے اس گروہ کے لوگ بھی نہیں ہیں۔

تو حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو تم نے اقرار کر لیا کہ نہ تو تم مہاجرین مکہ کے پہلے گروہ میں شامل ہو، نہ ہی انصار مدینہ کے دوسرے گروہ میں شامل ہو، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ تم مسلمانوں کے اس تیسرے گروہ میں بھی شامل نہیں ہو جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ :-

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

ترجمہ :- اور ان دونوں گروہوں کے بعد تیسرے گروہ کے جو لوگ آئے وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی

بخشش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے (اور ان پہلے سے ایمان
لانے والے مرحومین کے متعلق ہمارے دلوں میں کوئی
کھوٹ اور بغض نہ ڈال، اے ہمارے پروردگار
تو بڑی شفقتوں والا مہربان ہے۔
تم اس تیسرے گروہ میں اس لئے شامل نہیں ہو کہ جو مسلمان
مرحومین پہلے گزر چکے ہیں، تمہارے دلوں میں ان مرحومین کے لئے
کھوٹ، بغض اور دشمنی ہے اور تم ان کی مغفرت کی دعا بھی نہیں
کرتے۔ پھر ان کو فرمایا:۔
اٹھو، نکلو یہاں سے، اللہ تم کو برکت بھی نہ دے اور کبھی
تم کو مجتمع بھی نہ کرے۔ بلکہ تمہیں پراگندہ رکھے، تم تو اسلام کا تمسخر
اڑانے والے ہو۔ (ابن کثیر)

* * *

مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے درمیان
سیاسی مسلک کے سلسلے میں اختلافات تھے، مولانا تھانوی سیاست سے
دور رہتے تھے اور شیخ الہند سیاست میں حصہ لینا ضروری سمجھتے تھے۔
اس اختلاف مسلک کے باوجود شیخ الہند مولانا تھانوی کے مسلک
کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے اور جو شخص مولانا تھانوی کے مسلک پر
جرح کرتا تھا، آپ جواب میں ہمیشہ حضرت تھانوی کی تعریف فرمایا
کرتے تھے، یا نی پت کے ایک عالم نے حضرت تھانوی پر اعتراض
کیا تو جواب میں شیخ الہند نے فرمایا:۔
"بھائی! اپنی جماعت میں اختلاف تو اچھا نہیں
معلوم ہوتا، لاؤ پھر میں ہی کسی قدر اپنے مسلک میں تبدیل
کروں اور اس معاملے میں ان کی یعنی حضرت تھانوی
کی موافقت کروں، کیونکہ میرے اور یہ دل تو نا قائل
ہوتی نہیں کہ میری رائے ٹھیک ہی ہو۔"
اعظم گڑھ کے ایک صاحب نے شیخ الہند سے کہا مولانا اشرف علی
یہاں بسنے آئے ہیں، آپ ان کو بلوا کر گفتگو کر لیں، شاید تعلق
ہو جائے۔ حضرت شیخ الہند نے ارشاد فرمایا

نہیں نہیں! مناسب نہیں!! جو شخص اپنا تھا
کرتا ہو، اس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں!!!
——— نیز گفتگو سے ناسے نہیں پیدا کرتی، واقعات
سے پیدا کرتی ہے۔
ایک مرتبہ مولوی خلیل الرحمٰن نے حضرت شیخ الہند کی خدمت
میں حضرت تھانوی کے بارے میں ایک عریضہ ارسال کیا اس میں
کہا گیا تھا کہ:۔
"بعض حضرات حضرت تھانوی اور حضرت مہتمم صاحب
کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، کوئی
منافق بتلاتا ہے، کوئی خفیہ پولیس کہتا ہے کہ ان حضرات
کو امداد ملتی ہے اور یہ سرکاری آدمی ہیں.... جواب
دست مبارک سے تحریر فرمایا جائے۔"
حضرت شیخ الہند نے مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا:۔
"حضرت تحیر ہوا، میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ
کوئی مسلمان جو ان حضرات کو جانتا بھی ہو وہ ان کی
شان میں وہ الفاظ بعینہ استعمال کرے جو آپ کے
قلم سے نکلے ہیں، اور آپ نے ایسے ناپاک اور بیہودہ
لفظوں کو کیسے نقل کیا؟"
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف مسلک کے باوجود
یہ بزرگ ایک دوسرے کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

تم کیا دباؤ گے؟

ایک دن تعلیم میں کچھ طلبہ مولانا مودودی کی خدمت میں
حاضر ہوئے، ایک طالب علم مولانا کی چارپائی کے گرد گھوما
جیسے کچھ چاہتا ہو، مولانا محترم نے پوچھا، کیوں بھئی، کیا بات
ہے؟ اس نے کہا: مولانا! میری خواہش ہے کہ مجھے آپ کے
پاؤں دبانے کی سعادت مل جائے۔ مولانا اپنے مخصوص انداز
میں مسکرائے اور فرمایا: صاحبزادے! میں تو بڑی بڑی طاقتوں
سے نہیں دبا، تم کیا دباؤ گے۔

ش۔ تحسیم بستوی (علی گڑھ)

دعوت کی راہِ صدق میں اک سنگِ میل ہے

وہ شارحِ کلامِ خدا، وارثِ رسل — دانائے عہدِ حال بھی اور واقفِ سبل
عرفاں کے میکدے کا وہ ساقی جامِ مل — صد حیف اس کی ہوگئی شمعِ حیات گل

لیکن چراغِ فکر منور ہے تابناک
کرتا رہے گا سارے اندھیروں کا سینہ چاک

ویرانیوں کو رشکِ گلستاں بنا دیا — تاریکیوں کو صبحِ درخشاں بنا دیا
دریائے ظلم و جور کو حیراں بنا دیا — اسلام کے سفینے کو طوفاں بنا دیا

نوکِ قلم سے اس کے ٹپکتے تھے حوصلے
قرطاسِ دل پہ جن کے ابھرتے تھے ولولے

برپا کیا تھا فکر و نظر میں اک انقلاب! — تاریخ کا جو بن گیا اک شاندار باب
وہ آسمانِ عزم و یقیں کا اک آفتاب — تشکیک و دہریت کے اندھیروں کا تھا جواب

آیاتِ بینات کا محرم چلا گیا!
اس دور کا مفکرِ اعظم چلا گیا!

جو تھا وفا کی راہ پہ ہر لمحہ گامزن جور و ستم کے دور سے گذرا وہ خندہ زن
باطل نے جس کے ساتھ کیا لاکھ مکر و فن لیکن جبیں پہ جس کی نہ آئی کبھی شکن

آغوش میں فنا کے وہ مردِ جلیل ہے
لبریز خونِ دل سے یہ آنکھوں کی جھیل ہے

دنیا و دیں کا عالم ذی شان و ذی وقار تو بحرِ علم و فضل کا اک دُرِ شاہوار
لکھو نے جواہرات کی آنکھوں میں بن کے خار کرتا رہا حقائقِ سربستہ آشکار

اعلیٰ ترا پیام ہے اعلیٰ ترا مقام
اے روحِ سید ابوالاعلیٰ تجھے سلام

تفہیم لکھ کے تو نے بڑا کام کر دیا ظلمت میں جلوۂ نور کا کیسر عام کر دیا
تو نے بلند پرچمِ اسلام کر دیا باطل کو تو نے لرزہ براندام کر دیا

تفسیر تیری دیں کا مکمل نظام ہے
تعبیر دل نواز موثر کلام ہے

تحریر کی زبان پیامِ خلیل ہے دل کش ہے دل ربا ہے حسین و جمیل ہے
محرومیت کے دور میں حق کی دلیل ہے دعوت کی راہ صدق میں اک سنگِ میل ہے

تیرے قلم کے فیض کا احسان ہے عظیم
روتا ہے یاد کر کے تجھے غمزدہ شمیم

ابو محمد امام الدین
مکتبہ تحفظ ملت ، رام نگر ، بنارس

مجدد مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

کل ۱۰ رنومبر ۱۹۸۰ء کو "حیات نو" کا "مجدد مودودیؒ نمبر" آیا تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا، بات یہ ہے کہ جناب محترم مولانا ابو بکر صاحب اصلاحی کی عنایت رفیقانہ اور دوارہ کی کرم فرمائی سے حال ہی میں میرے نام "حیات نو" جاری ہوا تھا اور مجھے وہ شمارہ نہیں ملا تھا جس میں اس خصوصی شمارہ کے شائع ہونے کا اعلان تھا، اس لئے اچانک اسے کامیاب شمارہ کو دیکھ کر میرا حیران ہونا ایک فطری امر تھا۔

جب سے حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وفات ہوئی ہے مرحوم کے متعلق برصغیر اور عالم اسلام کے ہر حلقہ کے افراد و اشخاص کے خیالات دیکھنے میں آئے، مگر مرحوم کے متعلق کسی نے "مجدد" کا لقب استعمال نہیں کیا۔ "حیات نو" کے زیر نظر شمارہ کے سرورق پر پہلی بار "مجدد مودودیؒ" دیکھنے کو ملا، حتی کہ مخالفین و معترضین مختصر پروپیگنڈا کرتے رہے ہیں کہ مولانا مجدد اور امام مہدی بننا چاہتے ہیں، لیکن آپ بغیر کوئی دعوی کئے اپنے رب سے حضور پہنچ گئے، مجدد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے مجدد ہونے کا دعوی کرے، یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اپنے مجدد ہونے کا علم بھی نہ ہو، مجددیت دعوی کرنے کی چیز بھی نہیں ہے، تجدید دین کا تعلق کام سے ہے، جو تجدیدی کارنامے انجام دے وہ مجدد ہے، دنیا مولانا مودودی کو مجدد مانے یا نہ مانے اس کی پروا کئے بغیر کہ ایک عامی آدمی کی کسی بات کا کوئی وزن نہیں میرا دعوی ہے کہ مولانا مودودیؒ پر "مجدد" کی تعریف صادق آتی ہے، مجھے تو یہ امید بھی ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا مورخ مولانا مودودیؒ کو "مجدد" کے لقب سے یاد کرے گا اور یہ بھی عجیب نہیں کہ مرحوم اس سے پہلے ہی مجدد مشہور ہو جائیں، جو شہرت اور وقار و عزت مولانا کو عالم اسلام میں حاصل ہے، موجودہ دور کی کس شخصیت کو حاصل ہے اور کس مرنے والے کی تعزیت اس طرح عالمگیر طور پر کی گئی ؟

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے اپنے "تذکرہ" میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ علیہما الرحمۃ کی شخصیتوں اور کارناموں سے بحث کر کے حضرت سید احمد شہیدؒ کو مجدد ثابت کیا ہے۔

میرے ذہن میں حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طویل یادیں محفوظ ہیں، ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۸ء تک جمعیۃ العلماء سے مولانا مودودیؒ کا بحیثیت صحافی تعلق تھا، ۱۹۲۸ء کے آخر میں حضرت مفتی محمد کفایت اللہؒ اور حضرت مولانا احمد سعیدؒ نے جمعیۃ العلماء

کی طرف سے ہفتہ وار اخبار "مسلم" جاری کیا تو مولانا مودودیؒ ہی کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا، اور ۱۹۲۳ء میں وہ بند ہو گیا اور ۱۹۲۵ء میں "الجمعیۃ" جاری ہوا تو اس کے ایڈیٹر بھی مولانا ہی مقرر ہوئے ۱۹۲۸ء میں "الجمعیۃ" سے مولانا کا تعلق منقطع ہو گیا اور مولانا حیدرآباد چلے گئے" اس زمانہ کے حالات کسی تذکرہ نگار کے مضمون میں میری نظر سے نہیں گذرے اس دور کے حالات ممتاز دیوبندی عالم مولانا مناظر احسن گیلانی سے سنئے، فرماتے ہیں:-

"مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی سے نیاز کا شرف فقیر کو حاصل ہے، مولانا صاحب حیدرآباد میں قیام فرما تھے اور مولوی ابو محمد مصلح (صاحب عالمگیر تحریک قرآنی) کے اخبار یا رسالہ ترجمان القرآن کی ادارت مولانا مودودی کے سپرد تھی، اسی رسالہ میں ان کی طرف سے مقالات کا سلسلہ شائع ہونے لگا جن سے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ارباب فکر و نظر کو ہوا، اسی زمانہ میں عثمانیہ یونیورسٹی کے بعض ارباب اقتدار کے اشارے سے خاکسار مولانا کی خدمت میں معقول تنخواہ کی پیشکش کے ساتھ حاضر ہوا تھا، آج بھی اس دن کی باطنی لذت اور روحانی مسرت کی یاد تڑپا رہی ہے جب خاص خندہ پیشانی کے ساتھ بغیر کسی پس و پیش کے خلاف توقع مولانا نے اس کو قبول کرنے کی معذرت ظاہر فرمائی۔ مولانا کے جذبۂ ایثار اور ملک و ملت کی خدمت کا جو غیر معمولی جذبہ ان کے قلب میں موجزن تھا، اس کا پہلا تجربہ مجھے اسی زمانے میں ہوا۔ اپنے ایک خانگی خط میں اس واقعہ کا ذکر خاکسار نے مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ سے کیا، صدق میں خاکسار کے مکتوب کا یہ حصہ اسی زمانے میں شائع بھی ہو گیا تھا۔

حیدرآباد میں مولانا ابوالاعلیٰ اپنے ظاہر کو جب اپنے باطنی احساسات اور کیفیات کے مطابق بنا تے چلے جا رہے تھے تو ان تبدیلیوں کو مسرت اور خوشی کے ساتھ دیکھنے والوں میں یہ فقیر بھی تھا۔ "دینیات" کا حصہ دوم جو نظامت تعلیمات سرکار عالی کے اشارے سے مولانا نے مرتب فرمایا تھا، اس نیک کام کی تحریک میں بحمد اللہ خاکسار کو بھی سعادت کا ایک حصہ میسر آیا تھا پھر ترجمان القرآن کے ذریعہ مسلمانانِ عالم کو مخاطب بنا کر " ادخلوا فی السلم کافۃ " (داخل ہو جاؤ اسلامی دائرے میں پورے پورے) کی دعوت عام حسن خطابت و استدلال کی غیر معمولی قوت سے مولانا دینے لگے تو شاید ہی کوئی باغیرت مسلمان ہوگا جس کے دل سے مولانا کے ان بلیغ و اثر انگیز دلدوز مضامین کو پڑھ کر سینے سے دعائیں نہ نکلی ہوں۔ اخبار صدق کے مدیر محترم مولانا عبدالماجد صاحب کے قلم نے شاید پہلی مرتبہ ان ہی مقالات بالخصوص کو پڑھ کر "متکلم اسلام" کا جاذب خطاب ان کے لئے استعمال فرمایا، اور آج بھی ایسا کور نصیب کوتاہ بخت سیاہ سینہ کون مسلمان ہوگا جس کے دل میں مولانا کی اس خالص قرآنی دعوت سے اختلاف کی جرأت ہو سکتی ہے۔" (صدق سنہ ۱۹۵۰ء)

مولانا مودودی کو قبولیت بھی غیر معمولی حاصل ہوئی اور ان کی مخالفت بھی غیر معمولی ہوئی، لیکن کوئی مخالفت ان کی راہ روک نہ سکی، ان کی وفات پر کتنے مخالف حضرات بھی ان کی تعزیت کرتے ہوئے ان کی بلند پایہ دینی فکر و نظر اور خدمات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے، کیا یہ مولانا مودودی کی غیر معمولی شخصیت کا ثبوت نہیں ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو خاص مقصد کے لئے اٹھایا تھا

جماعت اسلامی سے پہلے

میرا تعلق کانگریس اور جمعیۃ علماء سے رہا ہے جس زمانے میں مولانا مودودی ترجمان القرآن میں انقلابی مضامین لکھ رہے تھے

میں ترجمان القرآن اور مولانا سے بالکل ناواقف تھا، ان دنوں میرا قیام بنارس میں تھا اور میں کتابوں کی دوکان کرتا تھا، مستری محمد صدیق صاحبؒ اور مولوی مختار علی مرحوم میرے خاص دوستوں میں تھے، یہ بھی جمعیۃ علمائی خیال کے تھے، آگے چل کر مستری صاحبؒ تو جماعت اسلامی کے بانیوں میں ہو گئے اور مولوی مختار علی صاحب میرے ساتھ جماعت اسلامی میں داخل ہوئے۔

ہم سب جمعیۃ علمائی خیال کے تھے اور اخبار الجمعیۃ دیکھتے تھے جمعیۃ علماء قوم پرست اور قومیت متحدہ کی حامی اور آزادی کی تحریک میں کانگریس کی شریک تھی، مستری محمد صدیق صاحبؒ تو مولانا ابوالکلام آزادؒ کے مرید بھی تھے، مولانا مودودیؒ ترجمان القرآن میں جو انقلابی مضامین لکھ رہے تھے ان میں قومیت متحدہ اور قوم پرستانہ نظریہ کے خلاف بھی مضامین ہوتے تھے، ان کی زد جمعیۃ علماء اور کانگریس کی تحریک آزادی پر بھی پڑتی تھی، اس لئے الجمعیۃ میں مولانا مودودیؒ کا جواب بھی شائع ہوا کرتا تھا جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے کہ میرا اور میرے دوستوں کا سیاسی مسلک وہی تھا جو کانگریس اور جمعیۃ علماء کا تھا اور ہم سب مولانا مودودیؒ سے بالکل ناواقف تھے، اس لئے الجمعیۃ میں ان کے مضامین کا جواب دیکھ کر ان کو سرکاری آدمی سمجھتے تھے

اسی زمانے میں میرا اسلام پور جانا ہوا، یہ ریلوے اسٹیشن کے پاس ایک بستی ہے، وہاں بھی میرے تعلق کے لوگ تھے، وہاں اچانک مولانا مودودیؒ کی کتاب "سیاسی کشمکش" کا حصہ اول و دوم مل گیا چونکہ میں مولانا کے نام سے واقف تھا، اس لئے دلچسپی سے اس کا مطالعہ کرنے لگا، کتاب کے مطالعہ اور میرے سیاسی خیالات میں تبدیلی کا آغاز ساتھ ساتھ ہوا، یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ صحیح بات کے سمجھنے اور پہنچنے میں دیر نہیں لگتی اور اسے ماننے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا، میں جیسے جیسے کتاب کا مطالعہ کرتا گیا، اس کے مضامین، مباحث اور طرز استدلال دل و دماغ میں اترتے اور جاگزیں ہوتے چلے گئے اور اندر سے گویا بار بار صدا آنے لگی کہ یہ شخص سرکاری آدمی نہیں ہو سکتا، یہ تو واضح دلائل کے ساتھ اسلام کی حقیقت پیش کر رہا ہے۔

... دعوت ... کے لئے میں پہلے منتظر ہوگا، ہم نے

اوپر مستری محمد صدیق صاحب کا ذکر کیا ہے، یہ بھی بڑی خوبی اور خصوصیت کے شخص تھے، رہنے والے سلطان پور ریاست کپورتھلہ کے تھے، نہ معلوم کیسے بنارس آ کر یہاں رہ پڑے تھے، ایک پنجابی مستری خاندان میں عقد ثانی کر لیا تھا، آٹے کی مشین کی مرمت کے بڑے ماہر تھے، دور دور کے لوگ ان کو مشین کی مرمت کے لئے لے جاتے تھے، میں نے ان کی دینی تعلیم کے بارے میں ان سے کبھی کچھ نہیں پوچھا، انگریزی کے صنعتی رسائل دیکھا کرتے تھے، تھے تو کانگریسی خیال کے، مگر معلوم نہیں ان کے اندر اسلام کے وہ تصورات کیسے پیدا ہو گئے تھے جن پر جماعت اسلامی قائم ہوئی، انھوں نے ترجمان القرآن بھی نہیں دیکھا تھا، مولانا آزادؒ کے مرید تھے، ممکن ہے "الہلال" اور "البلاغ" دیکھا ہو، مگر کبھی ان کا ذکر نہیں کرتے تھے، میں نے کسی حد تک ان پرچوں کا مطالعہ کیا تھا اور ان سے متاثر بھی تھا، اس وجہ سے مولانا مودودیؒ کو سمجھنے میں مجھے زیادہ دشواری نہیں ہوئی

مستری صاحبؒ سے پہلے میرا تعلق ہوا، میرے توسط سے مولوی مختار علی وغیرہ میرے دوستوں سے، مستری صاحبؒ نے مجھ سے اسی طرح کلمہ شہادت ادا کرایا تھا جس طرح جماعت اسلامی کا رکن بننے والوں سے ادا کرایا جاتا ہے، معلوم نہیں کیوں میرے سوا کسی اور سے اس عمل کا مطالبہ نہیں کیا، مستری صاحبؒ نے ان چند افراد سے ایک حلقہ مطالعہ قرآن بھی قائم کیا تھا جن کا میرے ذریعہ ان سے تعلق ہو گیا تھا وہ عربی نہیں جانتے تھے، مطالعہ کے وقت سب کے سامنے مترجم قرآن شریف ہوتا تھا، کوئی تفسیر نہیں ہوتی تھی، مستری صاحبؒ کے سامنے کچھ نہ ہوتا تھا، مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ مستری صاحبؒ کسی آیت کا کوئی مطلب بیان کرتے اور ہم سب کو وہ درست نہ معلوم ہوتا، مگر کسی مفسر کا قول مستری صاحبؒ کے بتائے ہوئے قول سے مل جاتا،

مستری صاحب نماز میں لحن کے ساتھ قرأت پسند نہیں کرتے تھے، وہ عرض و نیاز کے انداز میں نماز پڑھتے تھے۔ مستری صاحبؒ کی اسلامی تعلیم بھی معمولی تھی، مطالعہ بھی وسیع نہ تھا، قرآن مجید کے سوا ان کے پاس شاید دینی کتابیں بھی نہ تھیں، اس لئے ان پر اسلامی نظام زندگی واضح تھا، وہ اس کی وضاحت کر سکتے تھے، مگر اصولاً لوگوں کو وہی دعوت دیتے تھے جو دعوت جماعت اسلامی دیتی ہے۔

جب جماعت کا وجود نہ تھا وہ بار بار مجھے تقاضا کرتے کہ ہم لوگوں کو اسلامی نظام قائم کرنے کی تحریک لے کر اٹھنا چاہئے اور میں بار بار کہتا کہ یہ کام ہم لوگوں کے کرنے کا نہیں ہے، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے لوگوں میں سے کسی بڑے آدمی کو یہ تحریک لے کر اٹھنا چاہیے، جب ہم لوگ کسی طرح اس کام کے لئے تیار نہ ہوئے تو مستری صاحب دل برداشتہ ہوکر بنارس کی سکونت ترک کرکے اپنے وطن سلطان پور چلے گئے۔

اب سنئیے کہ جہاں آپ نے مجھے "سیاسی کشمکش" کا مطالعہ کرتے دیکھا تھا، شام کو یہ کتاب ملنے میں بنارس کے مفتی مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب خطیب شاہی مسجد یا شیخ گیان باقی کے یہاں چلا گیا اور شب میں انھیں کے یہاں قیام کیا، صبح کو میں نماز فجر کے بعد مولانا کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک مستری محمد صدیق صاحبؒ پہنچ گئے، اسے حسن اتفاق کہنا چاہیے، وہ جماعت اسلامی کی دعوت لے کر بنارس آئے تھے اور مولانا ابراہیم کے پاس بھی دعوت پہنچانے گئے تھے، وہاں مجھ سے ملاقات ہوگئی، حال ہی میں جماعت اسلامی قائم ہوئی تھی، اب تک دو ہی کتابچے شائع ہوئے تھے "اسلام کا سیاسی نظریہ" اور "سلامتی کا راستہ"۔ یہی دونوں کتابچے مستری صاحب لائے تھے۔

جماعت اسلامی کی تحریک و دعوت کا سمجھ لینا جتنا آسان تھا اس کا قبول کرنا اتنا آسان نہ تھا، مستری صاحب نے قبول کرنے کا مطالبہ کیا اور میں نے خود اس کی خواہش کی، معاملہ تحریک کے تعارف تک رہا، ابھی تحریک کا سرسری مطالعہ تھا، اسے بہت کچھ سمجھنا بھی تھا، مستری صاحب سے گہرے تعلقات تھے ان کی اہلیہ بھی ہمیشہ آتی ہوتی تھیں، مستری صاحب نے کہا، اہلیہ بھی آئی ہیں، چلو ان سے بھی ملاقات کرلو، ان کے ساتھ میں ان کی سسرال گیا، ابھی تک تحریک کے سمجھنے کا سلسلہ جاری تھا، مستری صاحب بار بار بھی آتے، ان کی خواہش پر میں ان کو اسلام پور بھی لے گیا اور حاجی عبدالرزاق و مولوی محمد مبین صاحبان سے ملوایا جو میرے خاص دوستوں میں تھے، چند روز کے بعد مستری صاحب اپنے وطن واپس چلے گئے۔

جماعت کا مرکز جمال پور پٹھان کوٹ میں تھا، اور مستری صاحبؒ اپنے وطن گئے، اب سنئیے قدرت نے اسلام پور میں مولانا مودودیؒ اور ان کی تحریک کو سمجھنے کا کیا سامان کیا، اسلام پور میں اسلامیہ مدرسہ تھا، اس کے ایک ماسٹر کے گاؤں کی لائبریری میں ترجمان القرآن آتا تھا، ماسٹر صاحب کے ذریعہ ترجمان القرآن کا وہ شمارہ اسلام پور میں آگیا جو اب "سیاسی کشمکش" کے تیسرے حصے کی صورت میں دیکھا جاتا ہے اور جس میں جماعت کے نصب العین اور طریق تحریک و دعوت نظم جماعت ہر چیز کے خدوخال صاف صاف نظر آتے ہیں اس پر مزید سامان قدرت نے یہ کیا کہ مولوی محمد مبین ریلوے کے ایک بڑے افسر کے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے، وہ ترجمان القرآن کے خریدار تھے، ان کے یہاں سے ترجمان القرآن کے بہت سے پرچے مل گئے، ان کے مطالعہ سے جماعت کی تحریک و دعوت کی پوری واقفیت حاصل ہوگئی، اب میں تنہا بھی نہیں تھا، احباب بھی میرے ہم خیال ہوگئے تھے اور متفقین کی ایک جماعت بنارس میں قائم ہوگئی تھی اور بعض تو اس کبھی مولانا مودودیؒ اور تحریک سے واقف اور کسی حد تک اس سے متاثر ہوگئے تھے۔

اب یہ دیکھئے کہ مرکز سے میرا تعلق کیسے قائم ہوا، میں مذہبی اور ادبی رسالوں میں مضامین اور افسانے لکھا کرتا تھا، پنجاب سے ایک ماہنامہ "مسلمان" نکلتا تھا، شہر کا نام یاد نہیں آرہا ہے، میں اس میں لکھا کرتا تھا اور وہ اعزازی طور پر میرے نام آیا کرتا تھا، جماعت اسلامی کو اخبار کی ضرورت ہوئی تو مولانا نصراللہ خان صاحب عزیز مرحوم نے اسے خرید لیا اور خریداروں کے رجسٹر میں میرا نام بھی تھا، رسالہ کے ذریعہ پہلے سے بھی واقف رہے ہوں گے، میرے نام اخبار جاری کردیا، اب اس کے ذریعہ برابر جماعت کے حالات معلوم ہونے لگے اور میں بھی اس میں جماعت کے متعلق لکھنے لگا، ۱۹۴۲ء میں دربھنگہ میں جماعت اسلامی کا اجتماع ہوا، "مسلمان" سے معلوم ہوا کہ مولانا مودودیؒ بھی دربھنگہ تشریف لے جائیں گے، مولانا نصراللہ

خاں عزیز سے رابطہ قائم ہی ہو چکا تھا۔ میں نے ان کو لکھا کہ مولانا مودودیؒ دربھنگہ جاتے ہوئے ۲۴ گھنٹے کے لئے بنارس اتر جائیں تو ہم لوگ بھی زیارت و صحبت سے شرف یاب ہو جائیں، یہ درخواست منظور ہو گئی اور مولانا نصر اللہ کا خط آ گیا کہ مولانا مودودیؒ دربھنگہ سے واپس ہوتے ہوئے فلاں وقت بنارس کینٹ اسٹیشن پر اتر جائیں گے یہاں پھر قدرت کی کارسازی دیکھئے، ایک رفیق جن کے یہاں مولانا کو ٹھہرایا جا سکتا تھا، وہ کلکتہ چلے گئے تھے، دوسرے رفیق کا مکان قدرے غنیمت تھا تو نگراں کے والد جماعت سے سخت بیزار تھے کہ اب ان کا بیٹا سرکاری ملازمت کرنے کے لئے تیار نہ تھا، اسی پریشانی کی حالت میں مولوی مختار علی کو لے کر میں ریلوے اسٹیشن گیا، گاڑی آنے میں کچھ دیر تھی، مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع مسجد گیان باپی کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد اسحاق صاحب کو مولانا مودودی کی آمد کی خبر ہو چکی تھی، وہ بھی مولانا کی ملاقات کو آئے تھے، آئے تھے نہیں، میرے کارساز رب عز اسمہ نے ان کو بھیجا تھا، اسٹیشن سے باہر ان سے ملاقات ہو گئی، انھوں نے پوچھا، مولانا کہاں ٹھہریں گے؟ میں نے صورت حال بتائی، انھوں نے کہا حاجی نور الحق صاحب کے یہاں لے چلئے، وہ بڑی خوشی سے مولانا کو ٹھہرائیں گے، حاجی صاحب مولوی صاحب کے ہمسایہ اور عزیز تھے، مجھے بھی یاد و رسم تھی، لاینحل مسئلہ اس طرح حل ہو گیا، پہاڑ سا بوجھ سر سے اتر گیا، حاجی صاحب کے یہاں مولانا کا قیام ہوا، صاف ستھرا مکان، ہر طرح کے ضروری سامان سے آراستہ، مولاناؒ کی معیت میں مولانا امین احسن اصلاحی بھی تھے اور ایک دوسرے صاحب تھے، جو مشرقی صاحب کہلاتے تھے، پورا نام یاد نہیں رہا، معلوم ہوا مولانا نصر اللہ خاں صاحب کالج میں تقریر کرنے کے لئے رک گئے، کل اسی ٹرین سے آ جائیں گے حاجی صاحب نے بڑی خوشی اور فراخدلی سے ۲۴ گھنٹے میزبانی ادا کیا اور ہم معتقدین کو مغرب، عشاء اور فجر تینوں جہری نمازیں مولانا کی اقتداء میں باجماعت پڑھنے کی سعادت حاصل رہی۔

دوسرے روز مولانا واپس تشریف لے گئے، لیکن جماعت کی رکنیت کے لئے نہ ہماری ہمت پڑی اور نہ مولانا نے کوئی اشارہ کیا، ریل پر مولانا نصر اللہ خاں سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو کہا کہ ہم لوگوں کی رکنیت کے لئے ہمت نہیں ہوئی، انھوں نے کہا ابھی تم لوگوں کی رکنیت کا کیا سوال، لوگ سال سال بھر امیدواری کی حالت میں پڑے رہتے ہیں، نصر اللہ خاں کے اس جواب سے ایک بڑا بوجھ سر سے اتر گیا، میرا خیال تھا کہ مولانا کہتے ہوں گے، کتنا نالائق ہے کہ رکنیت کی درخواست تک نہیں کی۔

میں اخبار "مسلمان" میں برابر لکھتا رہتا تھا اور جماعت کی تائید و حمایت کرتا رہتا تھا، اپنی رکنیت کے بارے میں سوچتا ہوں تو ندامت و پشیمانی سے دل لبریز ہو جاتا ہے، اس نااہل کو مولانا مودودیؒ نے لکھا کہ تم جماعت کی تائید و حمایت میں اتنا لکھتے ہو اور تم نے اب تک رکنیت قبول نہیں کی، جس کو معلوم ہوگا وہ کیا کہے گا۔

سنہ تو یاد نہیں، یہ میری فطری کمزوری ہے کہ واقعات کے سنہ یاد نہیں رہتے، ۱۹۴۶ء رہا ہوگا، الہ آباد میں جماعت کا اجتماع ہوا، یہ یاد نہیں رہا کہ وہ کہاں تک کا اجتماع تھا، ضلع الہ آباد کے باہر کے لوگ بھی تھے۔ اس اجتماع کے امیر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تھے، میں، مولوی مختار علی، نسیم حاتم اور محمد خلیل اسلام پوری الہ آباد گئے اور جماعت اسلامی میں داخل ہوئے، حالات کی نیرنگیاں دیکھئے انگریزی حکومت تھی، آزادی کی تحریک چل رہی تھی، حکومت کے قدم ڈگمگا رہے تھے، ہم نے امین احسن صاحب اصلاحی سے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ کسی رکن پر حکومت کا دباؤ پڑے اور وہ رکنیت سے علیحدہ ہو جائے تو آپ کیا کریں گے، انھوں نے کہا، اگر میرے ہاتھ میں اختیار ہوگا تو میں اس کی گردن مار دوں گا اور ایک وقت آیا کہ خود مولانا اصلاحی متعدد رفقاء کو لے کر جماعت سے الگ ہو گئے، جماعت کی اکثریت نے ان کی من مانی بات نہیں مانی، جماعت سے الگ بھی نہیں ہوئے، جماعت کی جماعت بھی رہی ان کے اختیار میں قلم تھا اور زبان تھی، دونوں سے کام لیا، تیر ہوتا اور تلوار ہوتی تو ان سے بھی جنگ کرتے۔ یہاں مولانا اصلاحی کا ایک قول قابل ذکر ہے مستری محمد صدیق صاحب مولانا مودودی سے اختلاف ہونے کی وجہ

ابتدا ہی میں جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے، مولانا مودودیؒ نماز فجر کے بعد تفریح کرنے کے عادی تھے، بنارس میں بھی نماز کے بعد تفریح کو چلے، مولانا امین احسن بھی ساتھ تھے، باتوں باتوں میں مستری صاحب کا ذکر نکل آیا، اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ وہ اس مزاج کے آدمی ہیں کہ نماز میں امام تو کوئی اور ہو لیکن مقتدی کان ان کی تکبیر پہ ادا کیا کرے، جیسا کہ میں نے ابھی بتایا، مولانا اصلاحی نے خود اپنے کو اسی مزاج کا ہونا ثابت کیا، مولانا مودودی نے ان کی تکبیر کو نہ مانا تو وہ بیعت توڑ کر جماعت سے الگ ہو گئے،

۱۹۴۵ء میں جمال پور ٹھیلان کوٹ میں جماعت اسلامی کا کل ہند اجتماع ہوا، اس میں شرکت کے لئے میں، مولوی محمد فاضل ضمیر عالم اور خلیل، جمال پور گئے، تین چار روز وہاں رہنا ہوا، پانچوں وقت کی نمازیں مولانا مودودی کی قیادت میں پڑھی جاتی تھیں، اجتماع بھی انہیں کی امارت میں ہوتا تھا، اس میں ان کی تقریریں سنی جاتی تھیں، انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے بھی وہ چلتے پھرتے نظر آتے رہتے تھے، کھانے کے وقت وہ بالخصوص موجود ہوتے تھے، ایک روز نماز فجر کے بعد میں نے دیکھا وہ تانگے پہ بیٹھے چلے جا رہے ہیں، تانگے پر پردہ تھا، غالباً وہ صبح کے وقت اہلیہ کے ساتھ تفریح کرنے کے عادی تھے، یہ جواب تھا ان تجدد پسندوں کا جو کہتے ہیں کہ اسلام عورتوں کو چہار دیواری کے اندر بند کرنے کا حکم دیتا ہے، اور خانقاہی مزاج کے بزرگوں کو مولانا مودودی کی ایسی ہی باتیں خلاف تقویٰ معلوم ہوتی ہیں، وہاں ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو ان کی داڑھی کی لمبائی کی کمی اور پائنچے کی لمبائی کی زیادتی سے بے چینی محسوس کر رہا تھا، اس کا پتہ ان پرچیوں سے چلا جو اجتماع کے دوران لوگ مولانا کو دیا کرتے تھے۔

مولانا کے پیش نظر غیر مسلم بھی تھے، ان کے لئے ہندی میں دعوتی لٹریچر شائع کرنے کا بھی مولانا کا خیال تھا، اس زمانے تک میں ہندی سے آشنا تھا اور مضامین اردو میں ترجمہ تو کر لیا کرتا تھا، مگر ہندی لکھ نہیں سکتا تھا، بات یہ ہے کہ میں نے ہندی کسی سے باقاعدہ پڑھی نہیں تھی، خود سے حروف تہجی اور اعراب معلوم کر کے ہندی سیکھ لی تھی، کوئی مانے مگر واقعہ یہی ہے، میرے علاوہ کبھی کوئی اچھا ہندی داں اجتماع میں آیا تھا اس وقت تک مسلمان ہندی پڑھتے کہاں تھے، میری ہی طرح کے تین چار آدمی اور تھے، ایک شخص اجتماع سے پہلے ہی مرکز میں آگیا تھا اور یہ کہہ کر کہ نو مسلم ہے اور اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، وہاں پڑا ہوا تھا، وہ ہندی جانتا تھا، مولانا کا خیال تھا کہ جماعت کے کچھ لوگ ہندی سیکھ لیں تو وہ ہندی میں لٹریچر کا ترجمہ کریں، جو لوگ کچھ ہندی جانتے تھے ان سے اس نے کچھ ہندی لکھوایا، سب نے کچھ صحیح اور کچھ غلط لکھا اس نے کہا، ہاں یہ لوگ کام کے لائق ہو جائیں گے، لیکن میرا خیال ہے وہ سی آئی ڈی تھا، اجتماع کے بعد اس کا پتہ نہ چلا اور ہندی کی بات بھی وہیں ختم ہو گئی۔

مولانا مودودیؒ کی ایک قیام گاہ تھی، وہ اسی میں بیٹھتے تھے، ملاقاتی اسی میں ملاقات کرتے تھے، شاید ملاقات کے لئے اجازت لینی پڑتی تھی، اس کی ضرورت بھی تھی، ورنہ مولانا کو ملاقات کے علاوہ کسی کام کی فرصت ہی نہ ملتی، میرا مزاج کہیں بیٹھ کر کے ملاقات کے خلاف ہے، اس لئے میں نے ملنے کی کوشش نہیں کی، مستری محمد صدیق صاحب جماعت سے الگ ہو چکے تھے، مگر تحریک و دعوت کے مخالف نہیں ہو گئے تھے، وہ بھی اجتماع میں آئے تھے، ان کے ساتھ ان کے ہم وطن حکیم محمد اشرف صاحب رکن جماعت بھی تھے، مستری صاحب نے ان کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ سلطان پور میں حکیم صاحب ہی تنہا ہمارے خاص ساتھی ہیں جیسے بنارس میں تم خاص ساتھی تھے، حکیم محمد اشرف صاحب پاکستان بننے کے بعد لائل پور چلے گئے، وہاں مطب، اور وہاں انہوں نے بڑی ترقی کی۔ ۱۰ الیفیر کے نام سے ہفتہ وار پنجابی جاری کیا جو اعزازی طور پر میرے نام آتا تھا، مولانا امین احسن اصلاحی جماعت سے الگ ہو گئے لیکن جب تک پاکستان سے کتاب اور اخبار آتا جاتا بند نہیں ہوا تھا تب تک حکیم صاحب کا اخبار آیا کرتا رہا۔

اجتماع کے دوران حکیم صاحب سے برابر ملاقات ہوتی رہی کبھی تنہا ہوتے، کبھی مستری صاحب کے ساتھ، اجتماع میں اور بہت سے رفقاء سے ملاقات ہوئی جو غائبانہ متعارف تھے، وہ بھی

کیا لازم تھے۔

ایک روز مستری صاحب مجھے مولانا مودودی کی نشست گاہ میں لے گئے اور مولانا سے کہا، ان کو یہیں اپنے پاس رکھئے۔ مولانا نے کہا، یہاں کی زمین بہت مرطوب ہے، ان کو راس نہ آئے گی، ویسے بھی میری صحت گھر سے باہر رہنے کے لائق نہ تھی۔

میں اس زمانے میں رسالوں اور ہفتہ وار اخباروں کے لئے اجرت پر ہندی کے افسانوں اور مضامین کا ترجمہ کرتا تھا، میں نے مولانا سے اس کام کا ذکر کیا تو فرمایا، ایسے افسانوں کا ترجمہ کرنے میں حرج نہیں ہے جن کا انجام اخلاقی ہو، لیکن جماعت سے تعلق کی برکت سے اللہ نے ایسی صورت پیدا کردی کہ ماہنامہ انوار اسلام جاری ہوگیا، اس کے ساتھ اچھی اردو کی بہت سی کتابیں شائع ہوگئیں اور ملک کی تقسیم کے بعد ہندی لٹریچر کے ذریعہ اہل وطن سے اسلام کے تعارف کی تحریک جاری ہوگئی، جس ہندی کو میں نے افسانوں کے ترجمے کے لئے سیکھا تھا، وہ دین کی اشاعت کے کام آنے لگی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔

جلال پور کے اجتماع کے بعد مرحلہ الہ آباد میں مولانا مودودی کی زیارت اور ملاقات کی سعادت میسر آئی، یہ اجتماع بستی سے باہر آموں کے باغ میں ہوا تھا، مولانا کی طبیعت ناساز تھی اس لئے وہ بعض ہی نشستوں میں حصہ لے سکے، زیادہ تر کارروائی مولانا امین احسن اصلاحی کی صدارت میں انجام پذیر ہوئی، علالت کے باعث کم ہی لوگوں کو مولانا مودودی سے ملنے کا موقع مل سکا تھا، میں نے ملاقات کی کوئی کوشش نہیں کی۔

میں اپنی والدہ کو مرض الموت میں چھوڑ کر اجتماع میں گیا تھا، شام کے قریب اجتماع ختم ہوا تھا، میں اسٹیشن کے لئے یکے پر بیٹھ گیا تھا مگر کچھ ایسی صورت پیش آئی کہ اتر گیا، جتنے رفقاء بھی ساتھ تھے، طے پایا کہ اس وقت یہیں قیام کیا جائے، کل صبح چلا جائے گا، وہاں بستی نہیں تھی، ٹیلے پر ایک چھوٹی سی مسجد تھی، اسی میں ٹھہر گیا، سامنے ہی مولانا مودودی کی قیام گاہ تھی، سوچا کہ یہاں تک آ ہی گیا ہے تو مولانا سے ملاقات کیوں نہ کرلی جائے، چنانچہ میں مولانا کی قیام گاہ پر گیا، اطلاع کرائی، مولانا نے فوراً بلا لیا، مزاج پرسی اور خیر و عافیت کے بعد خاص گفتگو غیر مسلموں کے لئے لٹریچر کے متعلق ہوئی، مولانا نے فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے جو لٹریچر شائع ہو چکا ہے وہ غیر مسلموں کے لئے زیادہ موزوں نہ ہوگا، لیکن اسلام سارے دنیا کے انسانوں کے لئے ہے، اس لئے طے پایا کہ "سلامتی کا راستہ" اور "دین حق" وغیرہ کتابچے ترجمہ کئے جائیں اور یہ کام میرے سپرد کیا گیا، اس وقت تک بہت کم مسلمان تھے جو ہندی جانتے تھے، محترم ماسٹر افضل حسین صاحب جو قیم جماعت رہے، انجھالستی میں کسی اسکول یا کالج میں ماسٹر تھے، ان کو مولانا نے میرا معاون مقرر فرمایا، انھوں نے کوئی چیز ترجمہ کرکے میرے پاس بھیجی تھی، تفصیل یاد نہیں، "سلامتی کا راستہ" اور "دین حق" کا ترجمہ میں نے کیا اور شاید ایک اور کسی کتابچے کا، دو کتابچے بنارس میں میرے ہی اہتمام کرکے چھپے۔

اب میری دماغی کمزوری کا یہ حال ہے کہ عزیزوں، تعلق کے لوگوں اور دوستوں کی بیویوں کے نام بھول جاتا ہوں۔ سر ایک کالج ہی کے ایک ساتھی پروفیسر تھے، معلوم نہیں پنشن یافتہ تھے یا ملازمت چھوڑ کر جماعت میں آگئے تھے، ان کے نام کے ساتھ غازی لگا ہوا تھا، غازی ہی کے نام سے یاد کئے جاتے تھے، ان کو مولانا مودودی نے بہار میں تحریک کو منظم کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا، ان کا قیام سلطان گنج پٹنہ میں تھا، میرے ہندی کام کا تعلق بھی انھیں سے تھا۔

غیر منقسم ہندوستان کا آخری کل ہند اجتماع کسی ایک مقام پر نہ ہوسکا، کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلاف کی وجہ سے بہار سخت حالات ہو رہے تھے، یوپی، بہار، اڑیسہ، بنگال کا اجتماع غازی صاحب کے اہتمام سے مولانا امین احسن اصلاحی کی زیر صدارت سلطان گنج پٹنہ میں ہوا، بہار میں مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر جو فساد ہوا تھا، گاندھی جی ڈاکٹر سید محمود کی کوٹھی میں مقیم تھے اور روزانہ شام کو گاندھی میدان میں پرارتھنا اور تقریر کیا کرتے تھے، ان کو اور صوبائی حکومت کے کانگریسی وزیروں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، گاندھی جی اور وزراء شریک اجتماع ہوئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ گاندھی جی کے اجتماع میں آنے اور واپس جانے کے وقت ہزاروں کے اجتماع میں سے ایک

شخص بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور "گاندھی جی کی جے" کا نعرہ بلند ہوا، اسٹیج پر بیٹھے ہوئے حضرات نے ان کا خیر مقدم کیا اور رخصت کیا۔

مولانا محمد شفیع داؤدی بہار کے مشہور مسلمان لیڈر تھے، تحریک خلافت کے سلسلے میں گاندھی جی کے ساتھ کام کر چکے تھے، بڑے قسمت ور تھے کہ آخر زمانے میں جماعت اسلامی میں داخل ہو گئے تھے، وہ بھی اجتماع میں آئے تھے، اجتماع کے اختتام کے بعد میں نے اور ماسٹر جعفر علی صاحب کا چپورے نے مولانا سے گاندھی جی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، انھوں نے ڈاکٹر سید محمود صاحب کے پرسنل سکریٹری کو خط لکھ دیا ہم دونوں خط لے کر ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر پہنچے، سکریٹری صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اجتماع میں گئے تھے اور مکتبہ سے میری کتاب "حکومت الہیہ" اور "علمائے کرام" خرید لائے تھے جو اب نایاب ہے، اس کتاب کے ذریعہ وہ مجھ سے متعارف ہو چکے تھے، بڑی قدر و عزت سے پیش آئے، چائے سے مدارات بھی کی اور گاندھی جی سے ملاقات بھی کرا دی جبکہ صرف بڑے بڑے لوگوں کو ہی ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا، اور دو منٹ ملاقات ہو پاتی تھی، گاندھی جی کی دو باتیں یاد ہیں انھوں نے کہا "تم لوگ (یعنی ہم نوجوان) مولوی صاحب (مقرر) بار بار 'محمود بھائی' کیوں کہتے تھے، ہم نے بتایا: کانگریسی وزارت میں بھی تھے (؟) دوسری بات انھوں نے یہ کہی کہ مسلمانوں کو اپنے حقوق سے دستبردار نہ ہونا چاہئے، ان پر ڈٹے رہنا چاہئے۔

اس اجتماع میں مجھے ایک نہایت دل آزار صورت حال کا سامنا ہوا، اس زمانے میں بنارس اور گاندھی کی جماعتیں الہ آباد کی جماعت کے ماتحت تھیں اور ان جماعتوں کو الہ آباد سے کسی قسم کی مدد ملتی تھی اور نہ کوئی فائدہ پہنچتا تھا، اس لئے تجاویز کی نشست میں میں نے اور ماسٹر جعفر علی صاحب نے تجویز پیش کی کہ یہ دونوں جماعتیں الہ آباد سے الگ کر دی جائیں۔

اس تجویز کے پس منظر کو کسی نے تردید نہیں کی یعنی کسی نے یہ نہیں بتایا کہ الہ آباد کی جماعت ان دونوں جماعتوں کی مدد کر رہی ہے اور نہ کچھ ان کا رہی ہے، بس میرے سر پر تفرقہ بندی کا الزام تھوپ دیا گیا۔ یہ دونوں تجویزیں کثرت رائے سے مسترد ہو گئیں، بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہو گئی، میری طرف سے نگاہیں بدل گئیں اور میں ایک تفرقہ پسند کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا، تجویز پیش کرنے والوں میں ماسٹر جعفر علی صاحب بھی شریک تھے، لیکن معلوم نہیں یہ دلیل کن رویہ میرے ہی ساتھ کیوں روا رکھا گیا۔

ہم نے گھر آ کر مولانا مودودی کو لکھا کہ الہ آباد کی جماعت سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا، ہم نے علیحدگی کی تجویز پیش کی تو وہ حقارت کے ساتھ نامنظور کر دی گئی، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بنارس کی جماعت کو الہ آباد کی جماعت سے الگ کر دیں، مولانا نے اتنے اہم اجتماع کی مسترد کی ہوئی تجویز کو نہ صرف بحال کر دیا بلکہ اس ناچیز کو اعظم گڑھ، بستی اور گورکھپور کا امیر مقرر فرما دیا، اس واقعے سے مولانا کی اس فطرت پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ حق کے معاملے میں بڑے چھوٹے کی پروا نہیں کرتے تھے، اپنی اسی فطرت کی وجہ کر وہ بڑی بڑی دشوار گذار مشکلات سے بھی کامیاب گذرے۔

ملک کی تقسیم تک بنارس کی جماعت کی یہی پوزیشن رہی، چنانچہ ملک کی تقسیم کے بعد نئی جماعت کی پہلی اینٹ بنارس ہی میں رکھی گئی، اس کے جاننے والے اب صرف دو بزرگ رہ گئے ہیں۔ مولانا ابو اللیث صاحب ندوی اور مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی۔ ان دونوں حضرات کے ساتھ حضرت مولانا اختر احسن صاحب مرحوم اور الہ آباد کے امیر جماعت جناب حکیم محمد خالد صاحب بھی آئے تھے، ان حضرات کو اس بات پر غور و فکر کرنے کیلئے بلایا گیا تھا کہ جماعت کو کیسے منظم کیا جائے، چنانچہ غور و فکر کے بعد طے کیا گیا کہ دوسری نشست الہ آباد میں کی جائے اور جن لوگوں کو بلانا ممکن ہو ان سب کو بلایا جائے چنانچہ دوسری نشست الہ آباد میں ہوئی، اس میں بہت زیادہ تو نہیں باہر سے دس پندرہ آدمی آئے، بعض نام یاد ہیں، مولانا ابو اللیث صاحب، مولانا صدر الدین صاحب، مولانا حامد علی صاحب، ماسٹر جعفر علی صاحب کا چپورے، بھوپال سے بھی کوئی صاحب آئے تھے شاید وہ جناب انعام الرحمن صاحب رہے ہوں، پھر دعوتی تحریک

داصیب، ریشنا لہ آباد کے کسی گاؤں سے تھے۔ اور پھر تحریک اسلامی ہند کا قافلہ نئے عزائم کے ساتھ چل پڑا

ماؤزے تنگ نے مولانا مودودیؒ کا لٹریچر پڑھا ہے اور ....

مقبوضہ جموں و کشمیر جماعت اسلامی کے امیر سیف الدین قاری راوی ہیں کہ :- کچھ برس قبل آل انڈیا ٹیچرز ایسوسی ایشن کے صدر پنڈت دینا ناتھ نادم جو اپنی نیشنلسٹ اور لادینیت کیلئے مشہور ہیں، چین کے دورے پر گئے۔ ان دنوں چو این لائی چین کے وزیر اعظم اور ماؤزے تنگ کمیونسٹ پارٹی کے صدر تھے، ہندوستان سے چین کے تعلقات بھی خوشگوار تھے، جب وہ بھارت لوٹے تو انھوں نے مجھے بتایا:-

"ماؤزے تنگ نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا لٹریچر پڑھا ہے، اور ان کا کہنا ہے کہ مولاناؒ اور ان کا لٹریچر کمیونسٹ تحریک کے لئے بہت بڑی رکاوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

ماخوذ:-
"اذانِ کشمیر" (سری نگر)
۲۲ر نومبر ۱۹۷۹ء

خاکساری

"میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف بے گناہوں کی تلاش کیلئے کر رہا ہوں اور اپنی حقیقت خوب جانتا ہوں بڑے مراتب تو درکنار، اگر آخری مراتب سے بچ جاؤں تو یہ بھی میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے"
(مجاہد مودودیؒ)

یہ خوں نہیں ہے رائگاں!

روسیوں کے بیکراں مظالم اور چیرہ دستیوں سے متاثر ہو کر

(ارشاد احمد مخدومی)

یہ ضرب و حرب و کشت و خوں، مگر رواں ہے کارواں
یہ تیرا عزم زندگی، قدم قدم ہے ہر زماں
ہیں راہیں ساری پُرخطر، یہ وادیاں ہیں خوں سے تر
تو کشت و خوں میں شادماں ہے صبح و شام، الاماں
وطن ہے تیرا لالہ گوں، یہ خوں کی تیرے ہے پھبن
فنا و مرگ کچھ نہیں، یقیں رہے اگر جواں
کفن بدوش تو جواں، ہے موت تیری زندگی!
جو مر گیا، سو جی اٹھا، جو بچ گیا، ہے کامراں
تو راہِ حق پہ گامزن، بہادری ہے تیرا فن
تو ہم عنانِ زندگی، شرف ہے تیرا ہم عناں
یہ خوں ترا اُگائے گا صحرا میں بھی حسیں چمن
جو بہہ رہا ہے خوں ترا، یہ خوں نہیں ہے رائگاں
تو سربکف رواں دواں، کہ موت میں ہے زندگی
جو مر گیا تو زندہ ہے، جو بچ گیا تو کامراں

قطعہ

دینی بصیرتوں کا دبستاں چلا گیا
اک پیکرِ خلوص، پیکرِ ایماں چلا گیا
دینِ نبیؐ کی عظمت و شوکت کا پاسدار
حقانیت کا مہرِ درخشاں چلا گیا

(قدرت اللہ باسط)

... اور مولانا مودودیؒ رات بھر سو نہ سکے!

مولانا منظور نعمانی صاحب نے الفرقان اکتوبر و نومبر ۸۰ء کے مشترکہ شمارے میں اپنے ایک ایسے مراسلے کا تذکرہ کیا ہے جسے انہوں نے مرشدی مودودیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اتفاق سے مولانا مودودی مرحوم کا جواب ہاتھ آگیا ہے، ہم اسے ذیل میں شائع کر رہے ہیں، اگر مولانا نعمانی وہ مراسلہ شائع کر دیتے تو بہتر ہوتا اور اس معاملہ کے سمجھنے میں آسانی ہوتی۔

دوسری بات یہ کہ مولانا نعمانی نے اس شمارہ میں آغاز کار میں جماعت اسلامی سے گہری وابستگی اور مخلصانہ تعلق کا ذکر کیا ہے۔ آپ قائد تحریک کا پورا خط پڑھیں اور مولانا نعمانی کی اس بات کی صداقت کا جائزہ لیں۔

(ادارہ)

محترمی و مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تحریر میں نے رات ہی کو دیکھی، اس کے بعد سونا چاہا، مگر سو نہ سکا، اس لئے رات ہی کو لکھنے بیٹھ گیا۔

میرے لئے اس میں کوئی چیز رنج پہنچانے والی نہیں ہے بلکہ میں خوش ہوں کہ آپ نے جو کچھ محسوس کیا اور سوچا تھا اسے صاف صاف لکھ دیا، صرف افسوس اگر ہے تو اس کا کہ آپ نے بات کے انتہائی حدود تک پہونچ جانے کے بعد مجھ سے رجوع کیا، ورنہ ابتدائی مراحل ہی میں آپ مجھے اپنے خیالات سے آگاہ کر دیتے تو شاید حل اتنا مشکل نہ ہوتا جتنا اب ہو گیا ہے، البتہ جس چیز نے مجھے نیند سے محروم کر دیا، وہ دراصل یہ ہے کہ میں برسوں کی سعی و جہد کو اس نتیجہ پر ختم ہوتے ہوئے ٹھنڈے دل سے گوارا نہیں کر سکتا، اگر یہ سعی و جہد اپنی ذات کے لئے ہوتی تو خدا کی قسم اس سے بھی زیادہ کسی برے نتیجے پر اس کے ختم ہونے کی مجھے کچھ پرواہ نہ ہوتی، مگر جبکہ یہ خدا کیلئے اور اس کے دین کے لئے تھی تو میرے لئے بہت مشکل ہے کہ میں اس بدانجامی پر اس کے ختم ہونے کو اطمینان کے ساتھ برداشت کروں، اس لئے میں ایک آخری کوشش اس کے بچانے کی کرنا چاہتا ہوں، اللہ مصرف القلوب ہے، ممکن ہے کہ آپ اور دوسرے لوگ جو ایک پہلو سے سارے معاملہ کو دیکھ رہے ہیں ان کے سامنے وہ دوسرا پہلو بھی رکھ دوں تاکہ یہ کام بربادی سے بچ جائے۔

پہلا سوال جس پر آپ کو اور آپ کی طرح سوچنے والوں کو غور کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس کام کی

طرف جس چیز کی کشش نے کھینچا وہ کیا چیز تھی؟ اگر وہ میری ذات کی کشش تھی تو وہ بجائے خود نہایت غلط چیز تھی، اس کی طرف آپ کو کھنچنا ہی نہ چاہیئے تھا اور خدا کا بہت بڑا فضل ہوا کہ اب وہ کشش نہ رہی، ایسے نامبارک "الفت و اجتماع" سے لاکھ درجہ زیادہ بہتر ہے کہ آپ سب بکھر جائیں۔ اور اگر وہ اقامت دین حق کے نصب العین کی کشش تھی اور اگر اس کی طرف کھینچنے کے لئے آپ لوگوں کو مجبور کرنے والی طاقت دراصل اس احساس کی طاقت تھی کہ اس نصب العین کے لئے کوشش کرنا مسلمان ہونے کا عین اقتضا ہے اور اس کی کوشش کی صحیح صورت یہی ہے کہ اجتماعی طور پر کام کیا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ ایک میرے نااہل ثابت ہو جانے سے آپ لوگ اس قدر جلدی اور اتنی آسانی سے بکھر جانے پر کیسے آمادہ ہو گئے، کیا اس نصب العین میں اب کشش نہ رہی، ایک شخص کی "نالائقی" سے وہ نصب العین حق نہ رہا، یا اب یہ انکشاف ہوا کہ اس کے لئے کوشش کرنا مسلمان ہونے کا اقتضا نہیں، یا اجتماعی سعی اب اس کے لئے غیر ضروری ہو گئی اگر ان میں سے کوئی صورت نہیں ہے بلکہ صرف ایک شخص نالائق ثابت ہوا ہے تو بجائے اس کے کہ آپ اس شخص کو اس کام پر قربان کرنے پر آمادہ ہوتے، آپ نے اس ایک حد تک چلتے ہوئے کام کو اس پر قربان کرنے کا کیوں ارادہ کر لیا، اشخاص نصب العین کے لئے ہوا کرتے ہیں، نصب العین اشخاص کے لئے نہیں ہوتے نصب العین اگر عزیز تر ہے تو آپ کو ہر اس محبت اور تعلق پر چھری چلا دینی چاہیئے جو اس کی راہ میں روڑا اٹکتی ہے چاہے وہ باپ بیٹے کی محبت ہی کیوں نہ ہو۔

دوسرا سوال جس پر آپ حضرات کو اپنی توجہ مرکوز صرف کرنی چاہیئے، وہ یہ ہے کہ خدا کے یہاں آپ کی مسئولیت کس چیز پر ہے۔ آیا اس پر ہے کہ اس نصب العین کے لئے آپ جو کچھ کر سکتے تھے آپ نے کیا یا نہیں، یا اس پر کہ جو کچھ نہیں کر سکتے تھے اس کو کیا یا نہیں؟ آپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ جو اسباب و وسائل تم کو میسر تھے ان سے تم نے کیا اور کتنا کام لیا، یا یہ پوچھا جائے گا کہ جو اسباب و وسائل میسر نہ تھے ان سے کیوں کام نہیں لیا، پھر کیا آپ یہ جواب دے سکیں گے کہ ہم جس معیار کے اسباب و وسائل چاہتے تھے چونکہ وہ میسر نہ آسکے تھے، لہذا ہم نے کام نہیں کیا اور جو تھوڑا بہت کام ابتداء میں کیا بھی تھا اسے بھی لپیٹ کر رکھ دیا، خصوصاً جبکہ وہ معیار جو آپ نے اسباب و وسائل کے لئے تجویز کیا ہے منصوص نہیں ہے اور خدا و رسول نے اس معیار کے اسباب و وسائل کی فراہمی کو اس خدمت کی انجام دہی کے لئے شرط نہیں ٹھہرایا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ محض یہ عذر کہ اس معیار کے وسائل فراہم نہیں ہوئے آپ کو کام نہ کرنے اور شروع کئے ہوئے کام کو لپیٹ کر رکھ دینے پر خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکے گا اور اس پر جو مواخذہ ہو گا وہ غالباً اس مواخذہ سے شدید تر ہو گا جس کا خطرہ آپ نے اپنی تحریروں میں ظاہر کیا ہے۔

ان دونوں سوالات پر غور کرنے سے مجھے امید ہے کہ آپ کو بآسانی وہ راستہ سوجھ جائے گا جو اس حالت میں اختیار کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلی بات جو آپ لوگوں کو قطعی طور پر طے کر لینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اقامت دین کی اجتماعی کوشش بہر حال کرنی ہے، اور یہ کوشش جس مرحلہ تک پہنچ چکی ہے یا ہو چکی ہے اسے اس سے پیچھے نہیں جانے دینا ہے، بلکہ آگے بڑھانا ہے اور اس کے آگے بڑھانے میں جو چیز بھی سد راہ ہو اسے اٹھا کر پھینک دینا ہے، خواہ وہ امیر جماعت ہو یا جماعت کا کوئی رفیق ہو یا ہمارے باپ بھائی اور اولاد و اقارب ہوں یا ہمارے شخصی کاروبار اور وسائل معیشت ہوں۔

دوسری بات جو طے کر لینی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جو اسباب و وسائل ہمیں میسر ہیں، انہیں سے کام لینا ہے کیونکہ ہم خدا کے سامنے انہیں پر مسئول ہیں، اسباب و وسائل کی تعریف میں جس طرح روپیہ، حالات، اور مادی قوتیں آتی ہیں، اسی طرح انسان بھی اسی تعریف میں آتے ہیں، جو انسان ہمیں میسر ہیں، ہم کو اپنے مقصد کی راہ میں جدوجہد کرنے کے لئے انہیں سے کام لینا ہے فرشتے لانے کے لئے ہم مکلف نہیں ہیں، نہ ہم کسی نفس میں تصرف کر کے۔

کہ اس معیار کے آدمی اگر فراہم نہ ہوں تو اقامت دین کا فریضہ تم سے ساقط ہے، نہ یہ کہیں لکھا ہے کہ اقامت دین کی سعی اگر تم نے شروع کی اور کسی مرحلہ پر جا کر معلوم ہوا کہ فلاں فلاں معیار کے اشخاص موجود نہیں ہیں تو جتنا کام تم کر چکے ہو اسے بھی فوراً ملیامیٹ کر دو، ورنہ خدا کے یہاں پکڑے جاؤ گے، ایسی کوئی ہدایت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، اپنی خود ساختہ شرطوں اور معیاروں کو لپیٹ کر رکھ دینا چاہئے، ایک شخص اگر نالائق ثابت ہوا ہے تو پھر سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے اور اسے ہٹا کر اپنے میں سے کسی دوسرے شخص کو لیڈر بنانا چاہئے۔ اور مسلسل کام کرتے رہنا چاہئے تا آنکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا شخص پیدا کر دے جس کی کاملیت پر سب لوگ یا بیشتر لوگ مطمئن ہو جائیں بہرحال جو اشخاص موجود ہیں اور میسر آ سکتے ہیں، انہیں میں سے کسی اصلح آدمی کو منتخب کرنا لازم ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یکے بعد دیگرے دس آدمی بھی میری طرح نا اہل ثابت ہوں تو گیارہویں آدمی کو ان کی جگہ لے آئیں، میرا دل اس منطق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ جو نا اہل ثابت ہوا اور میں خود اپنے کو بھی نا اہل سمجھتا ہوں، اور کوئی تیسرا آئے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں مجھ سے اور تجھ سے زیادہ نا اہل نہ نکل آئے، لہٰذا یہ ساری بساط لپیٹ دی جائے۔

بر سبیل تذکرہ یہ بھی عرض کر دوں کہ اب تک میں نے جس طریق پر کام کیا ہے، اس کی بنیاد انہیں دو امور پر ہے جن کا اوپر ذکر کر آیا ہوں، یعنی اولاً میں نے اپنے دل میں اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ اقامت دین کے لئے اجتماعی کوشش بہرحال کرنی ہے خواہ بری یا بھلی، دوسرے یہ کہ جو اسباب و وسائل میسر ہیں انہیں سے کام لینا ہے اور بلند معیار تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے ساتھ جیسا کچھ پست معیار اس وقت پایا جاتا ہے، اس کو انتہائی ممکن حد تک استعمال کرنا ہے جہاں تک میری اپنی کمزوریوں کا تعلق ہے، آپ اس سے جس قدر واقف ہیں میں اس سے بہت زیادہ ان کو جانتا ہوں، مگر ان کو جاننے کے باوجود میں نے اس بار عظیم کو اٹھانے کی ہمت صرف اس لئے کی کہ جو قوتیں مجھ میں نہیں ہیں، یا جن کی میرے اندر کمی ہے، ان کے فقدان یا قلت سے دل شکستہ ہو کر ان قوتوں سے بھی کام نہ لینا جو میرے اندر ہیں میرے نزدیک حرام ہے، اور میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ اگر اونچے درجہ کا کام نہیں ہو سکتا تو جس درجہ کا کام ہو سکتا ہے وہ بھی نہ کیا جائے اسی طرح میں اپنے رفقاء سے بھی فرداً فرداً اکثر و بیشتر کی کمزوریوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، میرے قریبی رفیقوں میں مدتوں سے کام کرنے والوں میں اور ان لوگوں میں جن پر میں نے ذمہ داری کے کاموں کا بوجھ ڈالا ہے متعدد اشخاص ایسے ہیں جن سے مجھے نہایت تلخ تجربے ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں، لیکن میں ان سے مایوس نہیں ہوا ہوں، نہ کبھی میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ایسے ناقص شخص ناکارہ اور اخلاقی کمزوریوں سے بھرے ہوئے لوگوں کو لے کر کام کیا جا سکتا ہے؟ میں نے ہمیشہ نہایت صبر کے ساتھ ان کی کمزوریوں کو برداشت کیا، اور یہی فیصلہ کیا کہ برے یا بھلے جیسے آدمی بھی میسر ہیں، انہیں ساتھ لے کر کام کرنا چاہئے، اور ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہئے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اس بلند معیار سے واقف نہیں ہوں جو اس کام کے لئے مطلوب ہے، نہیں! معیار میری نگاہ میں بھی اسی طرح واضح ہے جس طرح آپ کی نگاہ میں ہے اور اس کے لحاظ سے میں اپنی اور سب لوگوں کی پستی و بلندی کا اندازہ قریب قریب صحت کے ساتھ کرتا ہوں، لیکن میرے اور آپ لوگوں کے نقطۂ نظر میں فرق صرف یہ ہے کہ میں اعلیٰ معیار کو کام کرنے کے لئے شرط نہیں سمجھتا، بلکہ صرف مطلوب سمجھتا ہوں، جسے حتی الامکان تلاش اور حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے، لیکن کم سے کم ناگزیر معیار تک جتنے لوگ بھی ملیں، ان سے کام لینے میں دریغ نہ کرنا چاہئے، میں چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ ٹھنڈے دل سے اس طرز عمل پر غور کریں اور اگر دل گواہی دے کہ کام اسی طرح ہو سکتا ہے تو یہی طرز عمل اختیار کریں، بورڈ کی تجویز کو میں ناقابل عمل سمجھتا ہوں، اگر بورڈ بنایا بھی جائے

تو بہرحال صدر ناگزیر ہے، جس کے ہاتھ میں بڑی حد تک امارت
کے اختیارات دینے پڑیں گے، ورنہ وہی حشر ہوگا جو میونسپلٹیوں
اور ڈسٹرکٹ بورڈ کا ہوتا ہے، خصوصاً ایک تحریک کو چلانے
کے لئے یہ بورڈ کبھی موزوں نہیں ہوتے۔ اس کے لئے لیڈر بہرحال
ضروری ہے، لہذا جماعت کا ایک اجتماع کرکے لیڈر ضرور منتخب
کرنا چاہئے، خواہ وہ معیار مطلوب سے نیچا ہی کیوں نہ ہو۔ رہا
میں، تو میں نہ پہلے اس منصب کا خواہشمند تھا، نہ اب ہوں
بلکہ خدا سے چاہتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص مجھے اس بار سے سبکدوش
کردے، البتہ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں کہ سر سے
یہ بار اتار کر پھینک دیا جائے، اور ہم ساری بساط لپیٹ کر
حسب سابق انفرادی وعظ گوئی میں لگ جائیں۔

یہاں تک جماعت اور اس کے مستقبل کے متعلق گفتگو تھی
اب میں اپنی ذات کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں، لیکن اس کی غرض
ذاتی صفائی پیش کرنا ہے اور نہ امارت و قیادت کے لئے اپنی
اہلیت ثابت کرنا، بلکہ بعض غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتا ہوں،
بعض امور میں آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں، اور بعض معاملات
کو جن کا آپ نے ذکر کیا ہے صاف کرنے کے لئے کچھ تجویزیں پیش
کرنا چاہتا ہوں، تاکہ ان میں آپ مجھے مشورہ دے سکیں۔

سب سے پہلے میں غلط فہمیوں کو صاف کرنا ضروری سمجھتا ہوں
آپ سے جن صاحب نے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنے موجودہ طرز
معیشت کو حق بجانب ثابت کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر میں اس حیثیت
سے اپنے معیار کو نیچے اتاروں تو پھر لوگوں پر میرا کوئی خاص اثر اور
اقتدار نہیں رہے گا، اور پھر میری بات میں وزن نہیں مانا جائیگا،
انھوں نے اصل بات کو بالکل غلط رنگ میں آپ کے سامنے
پیش کیا ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے مجھ سے مطالبہ
فرمایا تھا کہ میں ترجمان القرآن اور رسالہ دینیات وغیرہ کو بھی اپنی
دوسری کتابوں کی طرح جماعت کی ملک بنادوں، اور جماعت
کے فنڈ سے تنخواہ لیا کروں، میں نے اس سے اختلاف کیا، اور
ان سے کہا کہ اولاً آپ کا یہ مطالبہ غیر شرعی ہے، اللہ اور اس کے
رسول نے کبھی یہ حکم نہیں دیا کہ سب لوگ اپنے وسائل معیشت
جماعت کے حوالے کردیں اور جماعت کے تنخواہ دار کارکن بن جائیں،
یہ مارکس اور لینن کی شریعت کا قاعدہ ہے، نہ کہ خدا اور رسول
کی شریعت کا۔ ثانیاً اگر میں آپ کے اس مطالبہ پر عمل کروں
تو میرے لئے اخلاق حسنہ کی پرورش کا ایک دروازہ ہمیشہ کیلئے
بند ہوجائیگا، جب تک میں اپنی معیشت میں آزاد ہوں، میرے
لئے موقع ہے کہ خدا کے کام میں اپنے اختیار سے جتنا چاہوں،
خرچ کروں، لیکن آپ مجھے پابند بنا کر باختیار خود راہ خدا میں
خرچ کرنے کا دروازہ مجھ پر بند کرنا چاہتے ہیں۔ ثالثاً جماعت
کے فنڈ سے تنخواہ لے کر کام کرنے کی صورت میں میری بات
کا وہ وزن نہیں ہوسکتا، جو اب ایک بے غرض اور بے لاگ
آدمی ہونے کی حیثیت سے ہے اور قریبی دور کے تجربہ سے
یہی معلوم ہوا ہے کہ جس نے بھی جماعتی فنڈ سے تنخواہ لے کر
کام کیا ہے، وہ پھر جماعت کی قیادت کا کام نہیں کرسکا۔

یہ تھی اصل بات، جس کو اس طرح مسخ کرکے آپ سے بیان
کیا گیا۔ لوگوں کے ساتھ میرے طرز عمل کے متعلق جو شکایات
ہیں، ان کو میں قطعاً بے اصل سمجھتا ہوں، جہاں تک میرا اندازہ
ہے، اس معاملہ میں آپ نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ
آپ کے اپنے احساسات نہیں ہیں، بلکہ وہ روایات ہیں،
جو میرے چند عنایت فرما ایک مدت سے میرے متعلق پھیلا
رہے ہیں، اور صرف آپ ہی سے نہیں، بلکہ اکثر لوگوں
سے نہایت ہمدردانہ اور خیرخواہانہ رنگ میں انھیں بیان کرتے
ہیں، مجھ سے لوگوں کو بدگمان کرنے اور جماعت کے اندر بددلی
پھیلانے میں ان حضرات نے کافی سعی کی ہے، اور یہی نہیں
تاہنوز اس عنایت کا سلسلہ جاری ہے، میں اب تک
خود نہیں سمجھ سکا ہوں کہ یہ کس گناہ کی سزا ہے، جو مجھے
دی جارہی ہے، جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے
ان کے ساتھ ہمیشہ بھلائی ہی کی ہے کہ ان کے ایسے قصوروں
تک سے چشم پوشی کی ہے، جن پر میں حق سے باز پرس کرسکتا تھا

لیکن ان کا طرز عمل میرے ساتھ یہ ہے کہ میری حرکات و سکنات کو خوردبین لگا کر دیکھتے رہتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب معنی نکال نکال کر اپنی مجلسوں میں اکثر انھیں موضوع گفتگو بنایا کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ انھیں بیان کرتے ہیں، آپ نے خود اگر یہ محسوس کیا ہے کہ میں بعض لوگوں کے ساتھ بے رخی برتتا ہوں تو اسکو غلط رنگ میں دیکھنے پر آپ مجبور ہیں۔ کیونکہ آپ کو حقیقت کا علم نہیں ہے، میں ان لوگوں سے واقف ہوں اور اب میرے دل میں ان کے لئے کچھ زیادہ جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے، اس لئے فطرۃً ان کے ساتھ حسن التفات نہیں برت سکتا لیکن آپ کو اس معاملہ کا علم نہیں ہے، اس لئے آپ کا اس غلط فہمی میں مبتلا ہونا حق بجانب ہے، جہانتک تقویٰ کا تعلق ہے، خود اس معاملہ میں اپنے اندر بہت کمی محسوس کرتا ہوں اور اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ میں کبھی اس بات پر برا نہیں مانتا کہ کوئی شخص میری کسی غلطی یا کوتاہی یا گناہ کو دیکھتا ہو اور مجھے ٹوک دے یا برا ماننا تو در کنار، میں تو ایسے شخص کا شکر گذار ہوتا ہوں، لہذا جہاں جو کوتاہی بھی آپ لوگ دیکھیں اس پر مجھے متنبہ کر دیں اپنی اصلاح کے لئے میں خود کوشاں ہوں اور آپ لوگوں سے بھی مدد کا متوقع ہوں، البتہ یہ بات میرے لئے خلاف توقع ہے کہ میری کمزوریوں کو اس کام ہی کے ختم کر دینے کیلئے حیلہ بنایا جائے۔ میری معاشرت کا جو معیار ہے اس میں جس قسم کا تغیر اور تقشف آپ حضرات کے نزدیک ضروری ہے، اس کے متعلق مجھے بے تکلف مشورہ دیجئے، اگر موجودہ حالات میں میرے لئے یہ ممکن ہوا کہ با آسانی تغیر کر سکوں تو بہتر ہے، اور اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ اس حد تک تغیر کو میرے اہل و عیال برداشت نہ کر سکیں گے تو مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں بھی کوئی تامل نہیں ہے، جو چیز بھی نصب العین کی راہ میں رکاوٹ ہو، اسے میں راستے سے ہٹا دوں گا، خواہ وہ بیوی ہو یا اولاد یا اور کوئی چیز

آپ کا یہ ارشاد بھی صحیح نہیں ہے کہ کسی اجتماعی کام کو منظم کر کے چلانے اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت یا طاقت میں نہیں رکھتا اور شاید ان ذمہ داریوں کا پورا احساس بھی مجھے نہیں ہوتا، اس قسم کے خیالات قائم کرنے سے پہلے کبھی میری مشکلات اور مجبوریوں کو بھی پوچھیے، اگر آپ بھی ایک بیرونی ناظر کی طرح معاملات کو دیکھیں اور چند قیاسات قائم کر کے الگ ہو جائیں تو یہ تہمت ہے، ذرا شریک ہو کر دیکھیے کہ کس قسم کے آدمیوں سے کام لینا پڑ رہا ہے اور کن مشکلات سے میں گذر رہا ہوں، میں نے اب تک یہ محسوس نہیں کیا ہے کہ آپ شریک کار ہیں، بلکہ اس کے برعکس میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کو اس کام میں وہ دلچسپی نہیں ہے جو آدمی کو اپنے کام سے ہوتی ہے، اس لئے میں نے ابھی تک آپ کو حقیقی صورت حال سے آگاہ بھی نہیں کیا ہے، کیونکہ (معاف کیجئے) میں آپ کو اب تک اس درجہ میں سمجھتا ہوں کہ جس اوکھلی میں میں نے سر دیا ہے، اس کے دھمکوں سے آپ کو باخبر کر دوں تو آپ اس میں میرے ساتھ اپنا سر کھپانے کے بجائے الٹے پاؤں واپس تشریف لے جائیں گے۔

مالی معاملات کے متعلق یہ عرض ہے کہ پیسہ پیسہ جو جماعت کا جو روپیہ صرف ہوا ہے، میں اپنے ذمہ لینے اور اس کو اچھی ذمہ داری پر چلانے کے لئے تیار ہوں، جماعت کے بکڈپو کو میں مرکز جماعت سے پہلے ہی الگ کر چکا ہوں، اب میرا خود یہ ارادہ ہے کہ چند ذمہ دار لوگ یہاں موجود ہوں اور مالیات پوری کی پوری ان کے حوالے کر دوں میں نہ جماعت کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہوں نہ بکڈپو کو بطور ملکیت اپنے ہاتھ میں رکھنا پسند کرتا ہوں اور نہ میں اس بات ہی کو صحیح سمجھتا ہوں کہ جماعت کے سرمایہ کو تنہا اپنی صوابدید پر خرچ کروں، لیکن مجھے بتایئے کہ وہ کون سے ذمہ دار لوگ ہیں، جو یہاں میرے ساتھ شریک کار بن کر رہنے کو تیار ہیں

رہے پچھلے حسابات تو میں آج سے نہیں تقریباً سال ڈیڑھ سال سے کہہ رہا ہوں کہ کوئی آدمی کام سنبھال لے اور آ کر دیکھے، [illegible]

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

ڈاکٹر ابو عمیسہ بلریا گنج

آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر ہے؟

اکتوبر، نومبر ۱۹۷۹ء کا "الفرقان" سامنے ہے، آج جبکہ دنیائے صحافت سے "سید مودودی نمبر" نکال رہی ہے اور ان کی اسلامی خدمات کے گن گا رہی ہے، "الفرقان" کا "اینٹی مودودی نمبر" نکالنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، جبکہ "الفرقان" نے اپنی پالیسی ہی بنا لی ہے کہ ہر حال میں تحریک اسلامی کی مخالفت کی جائےگی، یہ الگ بات ہے کہ انداز جداگانہ ہوتا ہے، اگر خاموشی سے تحریک کا نقصان ہوتا نظر آتا ہے تو خاموشی کی روش اپنائی جاتی ہے اور اگر چپ رہنے سے تحریک کی بات بنتی ہے تو خاموش رہنا ناممکن ہو جاتا ہے، ایسے ہی حالات میں، اور یہ کیسے ممکن تھا کہ اینٹی مودودی نمبر نہ نکلے؟ پوری تبصرہ کسی صاحب علم ہی کا حق ہے، میں تو "الفرقان" کی اس اشاعت کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا جو سرسری جیسے کم علم لوگوں کے بارے میں لکھی گئی ہے جس کو بنا کر مولانا محترم نے یہ نمبر نکالنے کا جواز پیدا کیا ہے۔

مولانا محترم تحریر فرماتے ہیں:

"اس کے علاوہ میں نے ان واقعات کا ذکر اس لئے بھی ضروری سمجھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آجکل کے مولانا مودودی صاحب کے اکثر معتقدین (ان کے علم دین کا سرمایہ صرف مولانا کی تصانیف ہیں) اور وہ ان کو ایک ممتاز عالم اور مصنف ہی نہیں، بلکہ اس دور کا مجدد، بلکہ امت محمدیہ کا مجدد اعظم یقین کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ امت کے اگلے مجددین، مثلاً امام غزالیؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہ کے تجدیدی کام میں بہت سی غلطیاں اور خامیاں تھیں دین کی صحیح حقیقت اور روح کو مولانا مودودی صاحب نے سمجھا اور امت کے سامنے پیش کیا ہے، اور انھوں نے اب سے تقریباً نصف صدی پہلے اس کار تجدید کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حیدرآباد سے ترجمان القرآن جاری کیا تھا گویا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت سے اس منصب (تجدید دین) پر فائز تھے، ظاہر ہے کہ مولانا مودودی کے بارے میں یہ بیجا غلو بجائے خود بھی گمراہی ہے اور بہت سی گمراہیوں کا سبب بن سکتا ہے۔"

——— یہ ہے وہ عبارت جسے مولانا محترم نے بکمال حسن فن خود ترتیب دیا ہے، اور کسی حوالہ کی بھی ضرورت نہیں محسوس فرمائی ہے، آگے انھوں نے یہ طعن بھی کہتے گئے کہ مولانا مودودی کے

اکثر مجیبین کا بیس کمپ علمی سرمایہ مولانا کی تصانیف ہیں، حالانکہ ان کی علمی بادشاہت کا اور ان کے مضامین سے اپنے ایمان کو متاثر کرنے کا خود مولانا نے اسی پرچے میں اعتراف فرمایا ہے پھر نہ جانے اس طعن کی کیوں ضرورت محسوس فرمائی، اسی طرح کا طعن مولانا محترم ابوالحسن صاحب نے بھی عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح میں فرمایا ہے۔

میں اوروں کے بارے میں تو نہیں کہتا مگر اپنے بارے میں صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ میرا کل علمی سرمایہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا بڑا حصہ ہے، اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کرتا ہوں کہ اسی علمی سرمایہ کی بدولت باطل نظریات کے جنگل سے رہائی نصیب ہوئی اور باطل کے ہر مکتبہ فکر سے سر او نچا کر کے اسلامی نظریہ حیات کے بارے میں بات کر لینے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

طعن دینا مولانا محترم کی پرانی عادت ہے، کسی زمانے میں محترم نعمانی صاحب "الماری بھر دینے والا لٹریچر" کا طعن کیا کرتے تھے، یہ اور بات ہے کہ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو خود الماری بھر دینے والا لٹریچر فراہم کر دیا ہے، کاش اپنے لٹریچر سے تیار کئے گئے مبینین کا بھی جائزہ لینے کی کبھی توفیق نصیب ہوتی!

طعن سے فرصت پاتے ہی مولانا آگے بڑھ گئے ہیں، فرماتے ہیں :- "ظاہر ہے مولانا مودودی کے بارے میں یہ بے جا غلو بجائے خود گمراہی ہے، اور بہت سی گمراہیوں کا سبب بن سکتا ہے" گمراہ بنانے کے لئے کتنا بے چین ہیں مولانا! ۔ آخر یہ کون سی دینی خیر خواہی ہے؟ کیا ہو گیا ہے، دین کے ان اجارہ داروں کو؟ گمراہی کا لفظ تو تکیہ کلام ہے، کفر و فسق، ضال و مضل، اور نہ جانے کتنے خطابات سے نوازے جاتے ہیں تحریک اسلامی کے لوگ!

مفتی صاحب دیوبند کا ذوق کفر سازی اتنا بڑھا کہ دیوبند کے دارالافتاء سے دیوبند کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ پر کفر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ محترم قاری طیب صاحب مدظلہ العالی بھی اپنے ہی دارالافتاء سے ملحد اور بے دین قرار دے گئے، کہا گیا کہ ان کے اندر قادیانیت اور عیسائیت کی روح حلول کر گئی ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔

محترم شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اسی مسابقت میں اپنے تمام زہد و تقویٰ کو پورے ہوش و آگہی کے ساتھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ ڈاکٹر انور علی صاحب کی کتاب "رد فتنہ" (ادارہ شہادت حق دہلی) کو کاش پڑھنے کی توفیق ہوتی تو لوگ دیکھتے کہ کس کس طرح سے رسوا ہوا ہے لفظ "شیخ الحدیث"؟!

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

کتنی دل سوزی کے ساتھ مولانا [illegible] (کا [illegible]) نے "جماعت اسلامی پر اعتراضات کا علمی جائزہ" لکھا جس میں اعتراضات اور الزامات کے جواب کا نشہ تھے، ایک ایک مسئلہ کو چن کر نکال دیا گیا لیکن یہاں تو اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دوسروں کی کتاب نہ پڑھنا اور خدا نخواستہ پڑھ لیا تو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اب حالت یہ ہے کہ وہ بیچارے جن کا کل علمی سرمایہ بیالیس دن کی تعلیم ہے، مخلوق قسم کی کتابیں "فتنۂ مودودیت"، "ایک سے پوسٹ مارٹم" "جماعت اسلامی ـــــ اکابرین امت کی نظر میں" "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" وغیرہ جیسے چھوٹے بڑے ہر قسم کے فتوے، اشتہارات لئے پھرتے ہیں، اور آج کل یہی دینی خدمت انجام دے رہے ہیں لیکن اگر اس کے جواب میں کوئی کتاب دی جاتی ہے تو مولوی ہوں یا عالم، مڈل کلاس کے پڑھے ہوں یا گریجویٹ، پروفیسر ہوں یا ڈاکٹر، مگر کتاب پڑھنے سے انکار ہے، جس کے بارے میں شبہ ہو کہ یہ جماعت اسلامی کی کتاب ہے، اسے چھوتے ہوئے ڈرتے ہیں، بعض سادہ لوگ تو کہہ جاتے ہیں کہ اوپر سے اجازت نہیں ہے، آخر دینی خیر خواہی کا یہی تقاضہ ہے کہ لوگوں کو اندھیرے میں رکھا جائے اور ان کو تعلیم دے دی جائے کہ تم اللہ والی جماعت اور صحابہ والی جماعت کے آدمی ہو، اور جماعت اسلامی والے گمراہ ہیں۔ وہ بیچارے اسی زعم میں یہی کہتے پھرتے ہیں کہ : تبلیغی جماعت اللہ

والی جماعت ہے ، "صحابہؓ والی جماعت ہے" ۔

الفرقان پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دستور سازی میں محترم نعمانی صاحب مدظلہ اور مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کا خصوصی ہاتھ تھا ۔ دستور کی دفعہ ۶ کو بنیاد بنا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کیا گیا ، لیکن کتنی خوبصورتی سے یہ دن گذار دیئے گئے ! اور "الدین النصیحۃ" کا فریضہ انجام پا گیا ! بات کہنے کی نہیں ، مگر جب بات چھڑ گئی ہے تو لکھنا ہی پڑتا ہے : دہلی میں جماعت کا آل انڈیا اجتماع ہوا جس میں باہر سے عرب مہمان تشریف لائے تھے ، جو شاید آپ حضرات کی دنیا کے تھے ، اسی جرم میں لکھنؤ کے دیندار حلقہ نے جماعت کے خلاف زبردست مہم شروع کر دی اور پورے ذرائع ابلاغ کو اسی پر صرف کر دیا کہ جماعت حکومت کی ہو کر رہ گئی ہے ، حالات ایسے ہوئے کہ ملک میں ایمرجنسی آئی ، جماعت کی دعا لیے کون سی او الحکومت کو بچائی کہ وہ بھی بینڈ کر دی گئی ، اسی دوران ندوہ کا جشن ہونا قرار پایا ، ایک طرف تحریک اسلامی کے افراد جیلوں میں تھے ، دوسری طرف محترم ابوالحسن علی ندوی صاحب جو باہر کی دنیا میں "مجاہد کبیر" کے نام سے جانے جاتے تھے ، ندوہ کے عظیم الشان جشن کی تیاریوں میں مصروف تھے ۔ باہر کی عرب دنیا میں اتفاق سے کوئی بات ہوئی جس کی بنیاد پر ۲۲ دسمبر ۱۹۸۰ء کے "اخبار عالم اسلامی" مکہ کے صفحہ اول پر یہ خبر شائع کرائی گئی : "اسلام کے شہرۂ آفاق داعی اور ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک انعام قبول کرنے سے انکار کر دیا ، جو ان کو صدر جمہوریہ کی طرف سے ابھی ابھی پیش کیا گیا تھا ، موصوف نے یہ عزیز "معنوی انعام" یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ حکومت نے ان حضرات کو جو مذہباً اور عقیدۃً میرے بھائی ہیں ، قید و بند میں ڈال دیا ہے اور انہیں اپنے افکار کی اشاعت اور تفہیم اسلامی جدوجہد سے روک رکھا ہے ۔" یہ عبارت تماشا ہے چھٹکوری کر رہی ہے کہ جو باہر کی دنیا میں "مجاہد کبیر" کے نام پر کوئی حکومت نوازی کا الزام کیا ہے ، جس کی صفائی دی جارہی ہے ، مگر خوبصورت طریقہ ۔ باہر کی دنیا نے اسی

صفحہ کے نیچے والے کالم میں دیکھا کہ یہ "جرأت مندانہ اور مجاہدانہ بیان" یوں ہی ہوا میں اڑ کر نہیں رہ گیا ، بلکہ اس کے ردعمل میں یوپی کی حکومت کے سربراہ بہوگنا جی نے یوپی کے تمام جماعت اسلامی کے قیدیوں کو رہا کر دیا ۔ لیکن صورت حال یہ تھی کہ محترم علی میاں اپنے رفیق خصوصی محترم مولانا ابو اللیث صاحب ندوی کے لئے انتہائی زور لگا رہے تھے کہ کم سے کم مولانا ابو اللیث صاحب کو پیرول پر رہائی کا حکم مل جائے ، اعظم گڑھ جیل کے اندر سے رفقاء مولانا ابواللیث صاحب ندوی کے سامنے اپنی بات بار بار لاتے تھے کہ مولانا ! ان حالات میں آپ نہ جائیے ، ورنہ باہر کی دنیا یہی سمجھے گی کہ جماعت کے لوگ واقعی رہا کر دیئے گئے ۔ مولانا مسکرا کر رہ جاتے ۔ اجلاس ختم ہو گیا مولانا کو پیرول نہیں ملی ۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں محترم علی میاں مولانا ابواللیث صاحب کو ملاقات کرنے جیل میں خود تشریف لے گئے ۔

یہ وہ دستاویزات ہیں ، جن کو سامنے لانا میں نے اس لئے بھی ضروری سمجھا کہ جب اکیسویں صدی کا کوئی "ابوالحسن" بیسویں صدی کی اسلام کی "تاریخ دعوت و عزیمت" لکھنے بیٹھے تو اس کو تحریک اسلامی کے راہ کے پتھر تلاش کرنے میں دقت نہ ہو ۔

ہاں تو ندوہ کا وہ جشن ہوا ، ایسا جشن جیسا کہ جشن ہونے کا حق ہے ، سب کام حکومت نے اپنے ذمہ لے لیا ، حکومت کی طرف سے ایک شاندار "ڈنر" دیا گیا ۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے جو ندوہ کے مخلصین میں تھے ، کبیدہ خاطر اور حکومت نوازی پالیسی سے متنفر ہو کر ماہر ڈنریات کی زبان سے اپنے مخصوص انداز میں لکھا تھا جو طنز و مزاح کا شاہکار تھا ، افسوس کہ میں اسے نوٹ نہ کر سکا ، مگر آج بھی صدق جدید کی فائلوں میں محفوظ ہوگا ۔ پھر یہ کون سی دینی خیر خواہی کا تقاضا تھا کہ باہر کے عرب مہمانوں نے جہاں جہاں بھی اپنی تقریروں میں جماعت اسلامی کا نام لیا ، نہایت خوبصورتی سے ترجمہ کرتے وقت اس

خدارا بتلایئے کہ جماعت اسلامی کے بارے میں یہ ناخدا ترسی کی روش کیوں اختیار کی جاتی ہے؟ جماعت کے ساتھ عام دنیادار سیاسی لوگوں کی طرح نچلی سطح پر اتر کر، خدا اور خلق خدا سے بے نیاز ہو کر، وہ وہ تحریفیں ہو رہی ہیں کہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے! آخر وہ عبارت جسے خود محترم مولانا نعمانی صاحب مدظلہ نے ترتیب دی ہے اور پھر اس پر گمراہی کا حکم صادر فرمایا ہے، کہاں کی دینی خیر خواہی ہے؟ کہیں اس لئے تو یہ جال نہیں بُنا گیا ہے کہ کوئی نہ کوئی تحریک اسلامی کا نوجوان جس کا علمی سرمایہ مولانا مودودی صاحب کی کتابیں ہوں گی، اس جال میں پھنسے گا اور کہہ اٹھے گا کہ چلئے اچھا ہم نے مولانا مودودیؒ کو مجدد کہا تو اس میں کون سی گمراہی ہے؟ تب مولانا اپنا قلم اٹھائیں اور اپنے خدشات گنانا شروع کر دیں کہ یہ ہے مہدویت، یہ ہے ثبوت،

محترم دوسروں کی آنکھ کا تنکا تلاش کرنا بڑی خراب بات ہے اپنی آنکھ ٹٹولئے، دیکھئے کہ شہتیر دکھائی دیتا ہے یا نہیں، آئیے! ملاحظہ فرمایئے، ایک کتاب ہے "مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت" مصنف ہیں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ناشر مکتبہ الفرقان لکھنؤ۔ قبل اس کے کہ وہ اقتباسات جن کو میں نے اصل کتاب سے ترتیب دیا ہے، پیش کروں: اس کتاب پر محترم سید سلیمان صاحب ندویؒ کا مقدمہ ثبت ہے، اس مقدمہ کی تعریف میں مولانا نعمانی صاحب مدظلہ کا مختصر نوٹ بھی ہے۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"اسلام ایک پیغام الٰہی ہے، اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف سے نہ صرف عام مسلمان، بلکہ مسلمان علماء اور مشائخ تک نے اس سے اعراض کیا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا! سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی پر قناعت کی، اور عیش و آرام اور جاگیر و خراج کی دولت کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا! علماء نے درس و تدریس اور فتووں سے عزلت نشینی کی زندگی پر کفایت کی اور درویشوں اور صوفیوں نے تسبیح و سجادہ کی آرائش پر بس کی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ امت رہبری اور رہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہو کر رہ گئی، اور امت مسلمہ کی غرض و غایت اس کے سارے طبقوں کی نگاہوں سے مخفی ہو گئی"

(صفحہ)

"قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" والی عبارت اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مندرجہ بالا عبارت میں کیا جوہری فرق ہے، جو آج کل نیا محاذ کھولا جا رہا ہے۔ کاش محترم مولانا علی میاں صاحب اور محترم نعمانی صاحب غور فرمائیں!

اب میں صاحب فرقان کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جو گمراہی موصوف کو اپنی ہی ترتیب دی ہوئی عبارت کے آئینہ میں جماعت اسلامی کے لوگوں میں دکھائی دیتی ہے، ذرا دیکھیں کہ مولانا الیاسؒ کے والد مولانا محمد اسماعیلؒ کی سوانح کے مشہور سیرت نگار سید ابوالحسن علی حسنی نے اپنے مخصوص طرز تحریر میں کیا تکنیک اختیار کی کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھتے ہوئے اور ان کے گھریلو اور خاندانی حالات دکھلاتے ہوئے جو سراپا زہد و طاعت تھے، ان کے والد محترم (مولانا اسماعیل صاحب) کے جنازہ کے حالات تحریر فرماتے ہیں:-

"جنازہ میں اتنا ہجوم اور اتنی کثرت تھی کہ لوگوں نے باری باری نماز پڑھی، جس کی وجہ سے دفن میں کچھ تاخیر ہوئی، اس عرصہ میں ایک صاحب اور ایک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کرو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں"

(صفحہ ۳۹)

میں کچھ تبصرہ نہیں کروں گا، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس طرح "اللہ والی جماعت" کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے، اس طرح کے واقعات سنا کر دلوں پر بزرگی کا سکہ بٹھایا جاتا ہے، مجھے خوب یاد ہے "الفرقان" ہی کے کسی شمارہ سے میں، ایک بزرگ کے حالات سناتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ چار باغ لکھنؤ اسٹیشن پر ایک بزرگ کو ایک بزرگ رخصت کرنے تشریف لائے تھے، وہیں محترم نعمانی صاحب بھی تشریف فرما تھے، ان بزرگ نے محترم نعمانی صاحب سے فرمایا کہ:- "فلاں جگہ تبلیغی جماعت کا اجتماع ہے، آپ تو ضرور تشریف لائیں گے؟" نعمانی صاحب نے فرمایا تھا کہ "جی ہاں!" تب وہ بزرگ کہنے لگے کہ "ایسا ہے کہ نماز جمعہ میرے گاؤں پڑھیں تو بہتر ہوگا" غالباً ان بزرگ کا گاؤں مقام اجتماع سے متصل ہی رہا ہوگا۔ محترم نعمانی صاحب نے فرمایا کہ "حضرت والا! کوئی کام ہے؟" انھوں نے جواب دیا، وہ دراصل کام کے سلسلے! فرمایا کہ "نماز جمعہ کے بعد میرے والد محترم کی نماز جنازہ آپ کو پڑھانی ہے" محترم نعمانی صاحب نے نماز جنازہ پڑھانی منظور فرمالی۔ کیا آپ ہی وہ منظور نعمانی ہیں، جو بریلوی حضرات سے علم غیب پر مناظرہ فرمایا کرتے تھے؟ ایسے ہوتے ہیں خدا صفت بزرگ۔ موصوف چاہتے تو شادی کارڈ کی طرح جنازہ کا کارڈ چھپوا سکتے تھے، جو غیب کا حال جانتے وہ صاحب کمال بزرگ، جس کو وہ رخصت کرنے جاتے، اس کی بزرگی مسلّم، جس بزرگ نے اپنے والد محترم کی وفات سے پہلے ہی کشف کے ذریعہ ان کی نماز جنازہ کی استدعا کر لی، اس کی بزرگی سے جو انکار کرے وہ توہین اکابر کا مرتکب ٹھہرے!

یہ کرتب "سید مودودیؒ" کو آتا تھا، نہ ان کے لٹریچر نے یہ سکھایا، جس نے ان کے لٹریچر کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا، یہ افیون کی گولی حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی نانی صاحبہ کا مرتبہ عبادت و تقشف میں کافی بڑھا ہوا تھا، رات دن عبادت و اذکار میں مشغول رہتیں، رابعہ سیرت بزرگ تھیں، امی بی کہی جاتی تھیں۔ اب امی بی کی زبان سے جو بات محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب کہلوا رہے ہیں، کان کھول کر سنئے:- "امی بی مولانا پر بہت شفیق تھیں فرمایا کرتی تھیں "اختر! مجھے تجھ سے صحابہؓ کی خوشبو آتی ہے" کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں: کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں" (ص [illegible])

اتنی حکمت سے بنائی جاتی ہے صحابہ والی جماعت! مولانا ندوی مدظلہ آگے لکھتے ہیں:-

> "مولانا الیاسؒ فرماتے تھے، جب میں ذکر کرتا تھا، تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرتؒ (حضرت گنگوہیؒ) سے کہا، تو حضرت تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا قاسمؒ نے یہی بات حاجی صاحبؒ سے فرمائی تھی تو حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا" (ص [illegible])

قارئین کرام اس "کام" کے لفظ کو ذہن میں محفوظ رکھیں، اب آگے محترم ندوی صاحب مدظلہ کا قلم کیا گل کھلاتا ہے، غور سے پڑھیں:-

> "مولانا (الیاسؒ) فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں اس کام کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن تک اسی بےچینی میں گذرے کہ میں ناتواں کیا کر سکوں گا؟ کسی عارف سے ذکر کیا، تو انھوں نے فرمایا: کہ پریشانی کی کیا بات ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، بس کام لینے والے کام لے لیں گے" (ص [illegible])

یہ ساری عبارتیں پڑھتے جائیے اور مولانا منظور نعمانی کی صفائی پر عش عش کیجئے ؎

اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ!
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر ہے

یہ قول ثقیل مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر دوسرے حج کے موقع پر ڈالا گیا تھا، واپس ہو کر مولانا نے تبلیغی گشت کی بنیاد ڈال دی اور کام شروع کر دیا، جب مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ تیسرے حج میں تشریف

لے گئے تو مولانا ندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس رخ سے آپ اپنے کام اور اپنے نظام کے
متعلق مزید وثوق اور اطمینان اور یقین سے کر آتے
اور کام کی رفتار کو بڑھا دیا" (صفحہ)

ملاحظہ فرمایا آپ نے ! بات کو کہاں سے کہاں لے جایا جا رہا ہے
اب "کام" کے ساتھ لفظ "نظام" "وثوق" "اطمینان" اور "یقین"
بھی پیش نظر ہے۔ آگے چلئے ! مولانا الیاسؒ کا آخری وقت ہے۔
مولانا ندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"صاحب زادہ مولوی محمد یوسف صاحب بیان
فرماتے ہیں کہ ایک بار اسی قیام کا ہے ۔ جو وہ حجرہ
کے برابر والے مکان میں تھا ۔ بیٹھے تھے ، حضرت
مولانا الیاسؒ کچھ فرما رہے تھے اور ہم سب سن
رہے تھے ، کہ ایک شخص دروازے کے سامنے آ کر
کھڑے ہو گئے ، اور خطاب کر کے کہا کہ : جو کام تم
کر رہے ہو ، اس میں مشغول رہو ، اس کا اجر و انعام
اتنا بڑا ہے کہ اگر تمہیں بتلا دیا جائے ، تو تم برداشت
نہ کر سکو گے ، شادیٔ مرگ ہو جائے ؛ یہ کہہ کر وہ
باہر سے چلے گئے ، اور ہمیں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ
وہ کون بزرگ تھے" (صفحہ ۹۳)

محترم نعمانی صاحب ایسی ہی ترتیب دی ہوئی فرضی بنیاد
پر گمراہ سازی کا شوق پورا کر رہے تھے ، لیکن مندرجہ بالا اقتباسات
ملاحظہ فرمائیں ؛ ان اقتباسات کے نوٹ کرتے میں ان بلیغ جماعت
بزرگ حضرات جیسا کہ تب انہیں دکھلایا گیا ہے ، حذف و اضافہ
اور کتر بیونت سے کام نہیں لیا گیا ہے ۔

اب صحابہؓ کی خوشبو ، صحابہؓ جیسی نورانی شکلیں ، حضرت
گنگوہیؒ کی کام کی پیشینگوئی ؛ پھر مدینہ میں کام کے لئے امر اور
ارشاد ، پھر کام کے لئے مدینہ طیبہ میں مزید وثوق ، اطمینان ، اور یقین ؛
پھر آخری عمر میں جن کاموں کی حضرت گنگوہیؒ نے پیشین گوئی کی
تھی اس کے اجر کی یقین دہانی ۔ قطع نظر اس سے کہ یہ ساری

چیزیں ممکن ہیں ، یا نا ممکن ، صحیح ہیں یا غلط ، مولانا نعمانی یہ دیکھیں کہ
جماعت اسلامی کے محسنین کے بارے میں انہیں جس قسم کی غلط فہمی
اور اندیشے (جو فرضی اور بے بنیاد تھے) لاحق تھے ، اور جو الفرقان کا
خاص نمبر نکالنے کا موجب بنے ، وہی اندیشے اور انہیں کے الفاظ
میں "گمراہی ، ضلالت اور فساد" مولانا علی میاں کے لٹریچر میں نہیں
اور یہ "سارا نمبر" "تعظیم اسلاف کے نام پر" ہیں کے ذہنوں میں انڈیلا
جا رہا ہے ۔

مچھر کو چھاننے اور اونٹ کو نگلنے کی مثال بچپن سے سنتے آئے
تھے ، آج اس کی صداقت کا تجربہ ہو رہا ہے ۔ مرزا غالب نے کیسے درد
لہجے میں کہا تھا ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

کیا مولانا نعمانی اس کا دو ٹوک جواب دینے کی زحمت کریں گے

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں ، شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
بزرگوں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے ، نہ ایمان جائے

(حالی)

عبادت وخدمت

"عبادت وخدمت" - مرتبہ : مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی

پتہ : شکیل احمد مہتمم مکتبہ جامعۃ الرشاد ، اعظم گڈھ ، یوپی ۔

قیمت : تین روپئے پچاس پیسے ۔

یہ مختصر رسالہ جو اقامت کبیرہ و تبلیغ کی بہترین مثال ہے ، جناب مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب کے قلم سے ہے ، اور ہر لحاظ سے وقت کی پکار ہے ۔ لوگ جواب میں لبیک کہیں یا نہ کہیں ، لیکن اس کی اہمیت و افادیت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے ، پیش لفظ میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ :

"ایک ہزار سال سے ساتھ رہنے کے باوجود ہمارے اور غیر مسلم بھائیوں کے درمیان اجنبیت اور نفرت کی بڑی موٹی دیواریں حائل ہیں ؛ ہم برسوں سے ایک محلہ میں ، ایک گاؤں میں رہتے ہیں ، مگر وہ ہماری اور ہمارے دین کی ہمدردانہ اسپرٹ ، اور ہماری اخلاقی حیثیت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں ؛ ایسی صورت میں ضرورت اس بات کی ہے ، کہ پہلے نفرت کی یہ دیواریں گرائی جائیں ، اور یہ اجنبیت دور کی جائے ، پھر وہ ہمارے دین کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر سکیں گے ۔"

اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم بے غرض مادی خدمت اخلاقی ہمدردی ، اور انسانی محبت کو اپنا شیوہ بنائیں ؛ خدمت اور انسانیت کی راہ سے ہم ان کے دلوں میں نفوذ کر سکتے ہیں ؛ اس وقت وہ ہماری دعوت ، اور ہمارے دین کی اہمیت اور افادیت کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے ؛ پھر یہ کہ دنیا کے جو فوائد اس سے حاصل ہوں گے ، وہ تو اپنی جگہ پر رہے ، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا بھی یہی راستہ ہے ۔

"الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی اہلہ" ۔ مولانا موصوف نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں اپنے مطالب کی وضاحت نہایت حسین انداز میں کی ہے ؛ زبان نہایت سادہ ، سلجھی ہوئی ، بلکہ روزانہ کی گفتگو اور بات چیت کا انداز ہے ؛ اس طرح عوام اور خواص بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں ۔

(عبدالحکیم ایم اے بی ایڈ)

مجدد مودودیؒ

(نظریہ کا)

یہ کون سے دھارا دنیا سے اس محفل سے یہ کون اٹھا
گلشن ہے جس سے رو ٹھ گئی خوشبو سے معطر باد صبا!
ان شمع بکف دیوانوں کو سمجھتا تھا اسی فرزانے نے
یہ جوشش عمل ، یہ جذب جنوں ، یہ سلسلۂ تسلیم و رضا !

عبدالہادی احمد کی یہ تحریر پڑھئے! ہو سکے آنسو بہائیے، اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے

شیعہ سُنی، دشمن کے خلاف متحد ہو گئے

بیس ماہ ہو چکے، اسلامیان افغانستان کا بہتا ہوا لہو نہیں رکا۔ اس موسم میں جبکہ افغانستان کے اونچے پہاڑ برف کی سفید چادر میں چھپ گئے ہیں؛ نیچے وادیوں میں سائبیریا کی منجمد کر دینے والی ہوائیں چلتی ہیں؛ اور ان وادیوں میں بستی بستی قریے قریے پر روسی طیارے اور ہیلی کاپٹر آگ برسا رہے ہیں؛ لاکھوں بے گناہ اس وحشیانہ جنگ کی آگ میں جھلس رہے ہیں؛ معصوم بچوں، بے بس عورتوں اور کمزور بوڑھوں کو اپنی ہی سرزمین وطن میں موت کے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے۔ ان کے ایک طرف بارود اور آگ کی شکل میں موت ہے، اور دوسری طرف برف سے ڈھکے ہوئے طویل پہاڑی سلسلے۔

جان بچانے کے لئے مجبوراً وہ دوسرے راستے کو اختیار کرتے ہیں؛ بہت سے راستے ہی میں رہ جاتے ہیں، جو سخت جان سرحد عبور کر کے پاکستان کے عارضی مامن میں آ پہنچتے ہیں، ان کی زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔ پاکستان میں آنے والے مہاجرین کے نئے قافلوں میں سیکڑوں ایسے مریض بھی دیکھے جا سکتے ہیں، جن کے ہاتھ اور پاؤں برف میں طویل سفر کے درمیان گل اور سڑ چکے ہیں۔

اقوام متحدہ نے حال ہی میں ان مظلوموں کے لئے ۹ کروڑ روپے کی خطیر رقم بطور امداد منظور کر لی ہے، لیکن ان کی زندگی اور مستقبل کی ضمانت شاید اقوام متحدہ کے پاس بھی نہیں؛ کوئی بھی نہیں جو ظلم کے ہاتھ روک سکے؛ شاید انسانیت نے اس مسئلہ پر اپنے ضمیر کو تھپک تھپک کر سلا دیا ہے۔

دو اہم واقعات

سرما کے آغاز کے ساتھ ہی افغانستان میں دو اہم اقدامات ہوئے؛ پہلے، ماسکو کے اشارے پر حفیظ اللہ امین نے پاکستان کی سرحد کے ساتھ ملے ہوئے صوبوں پکتیا، قندھار، ننگرہار اور کنڑ پر شدید فضائی حملے اور بمباری کا حکم دیا۔ اس کے بعد روس کی تیس ہزار فوج، افغان سرحد پر آ کھڑی ہوئی؛ گزشتہ دو ماہ میں حریت پسندوں کے ٹھکانوں پر حملوں کے بہانے افغانستان کی فضائیہ نے سیکڑوں بستیوں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے؛ مہاجرین کے تعاقب میں کئی بار افغان طیاروں نے پاکستان کی سرحد کو بھی عبور کیا اور چترال کے علاقہ پر بمباری بھی کی؛ ادھر ازبکستان ترکمانستان اور تاجکستان میں روسی افواج نئے احکام کی منتظر کھڑی ہیں۔

جہاد جاری ہے

شدید فضائی حملوں نے مشرقی صوبوں میں مجاہدین کی پیش قدمی کو عارضی طور پر روک دیا ہے، لیکن شمال میں بدخشاں اور تخار کے صوبوں میں، اور مغرب میں [illegible]، [illegible]، قندوز اور [illegible] کے علاقوں میں حریت پسندوں کی جدوجہد آزادی کا زور نہیں ٹوٹا۔ اگرچہ حکومت سردی کے موسم سے فائدہ اٹھا کر مجاہدین پر

تابڑ توڑ حملہ کر رہی ہے ، تاکہ ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں ، مگر یہاں تو

"بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد"

والا معاملہ ہے ۔ مجاہدین کی فتوحات کا جغرافیائی سلسلہ تھا ، تو انھوں نے زیریں علاقوں میں سرگرمیوں کی طرف توجہ مبذول کی ہے ۔ خوست اور سول مسلمان عناصر کو منظم اور مجتمع کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں ، اور اس سلسلے میں قابل لحاظ پیش رفت کی خبریں آ رہی ہیں ، فوج کے کئی اہم اور باقاعدہ دستوں کی بغاوت اور مجاہدین سے جا ملنا تو روز کا معمول ہے ، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حکومت جبری فوجی بھرتی کر رہی ہے ، روس کے صوبہ ازبکستان سے سرخ "رضاکاروں" کی آمد کی خبریں بھی عام ہیں ، اور اب روس کی باقاعدہ افواج کا اتنی بڑی تعداد میں افغان سرحد پر اکٹھے ہونا بھی اس طرف واضح اشارہ ہے کہ روس کو افغانستان میں اپنی آلۂ کار حکومت کو بچانے کی سخت فکر ہے ۔

پکتیا اور کنڑ کے صوبوں میں حریت پسندوں کی کارروائیوں کو کسی حد تک روک لینے کے بعد ، اشتراکیوں نے آگے قدم بڑھائے ، دسمبر کے آغاز میں صوبہ بدخشاں کی دوبارہ تسخیر کے لئے ہرات سے فیض آباد ، سات گیر بزن فوج بھیجی گئی ہے ، تشکور اور دیباری کے علاقہ میں مجاہدین پہلے ہی پوزیشن سنبھالے بیٹھے تھے ، جنگ کا میدان کشم کا جنت نظیر علاقہ ٹھہرا ، پھر پوری جنگ ہوئی ، اور مجاہدین کی منصوبہ بندی ، اخلاص اور جذبوں نے فتح پائی ، سینکڑوں فوجی مارے گئے ، کچھ پکڑے گئے ، بہت اسلحہ مجاہدین کے ہاتھ آیا ، اس میں آٹھ مارٹر ، ۲ نگ ہوائی مشین گنیں ، مارٹر بلیٹ ، تین انچی ایر کرافٹ گنیں ، ۱۳۰۰ روسی کلاشنکوف رائفلیں ، ہزاروں گولیاں ، ۱۲ ہزار کیبل اور چالیس کے قریب موٹر گاڑیاں شامل ہیں ۔

شیعہ سنی ، مشترکہ دشمن کیخلاف متحد

وردک وہ صوبہ ہے جہاں ہزارہ اور وردک دو حریف قبائل آباد ہیں ۔ وردک سنی ہیں اور ہزارہ شیعہ ، اس اختلاف کے علاوہ بھی کئی اختلافات تھے جن کی وجہ سے یہ دو قبیلے ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے ، کمیونسٹوں نے اس اختلاف سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ، انھوں نے وردک قبیلے کو ہزارہ کے خلاف اکسایا اور چھ ہزار رائفلیں بھی ان میں تقسیم کیں ، وردک قبیلے کے راہنما سر جوڑ کر بیٹھے ، اور فیصلہ کیا کہ ، اشتراکی ان کے اور ہزارہ قبیلے کے مشترکہ دشمن ہیں ، اس لئے انھیں آپس میں لڑنے کے بجائے ، ان سے مبارزت طلبی کرنی چاہیے ۔ چنانچہ چشمِ فلک نے صدیوں کے بعد یہ منظر دیکھا کہ ہزارہ شیعہ اور وردک سنی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے ہیں ، اور ان سبھوں کی رائفلوں کا رخ کمیونسٹ فوج اور خلقیوں کی طرف پھرا ہوا ہے ۔

اس سازش کی ناکامی پر سیخ پا ہو کر کمیونسٹ حکومت نے وردک میں متعدد حملے بھی کئے ، دو ماہ پہلے جغتو نامی تحصیل پر بھی کمیونسٹوں نے بہت بڑا حملہ کیا تھا ، جس میں سینکڑوں ٹینک ، بکتر بند گاڑیاں اور توپیں بھی ان کے ساتھ تھیں ، مجاہدین نے بڑی جرأت اور بہادری سے مقابلہ کیا ، سرکاری فوج سے چھینے ہوئے ہتھیار ان کے کام آئے ، اس خونریز جنگ میں چار سو سرکاری سپاہی ہلاک یا زخمی ہوئے ، کئی ٹینک اور متعدد گاڑیاں تباہ ہو گئیں ، اس طرح وردک پر یہ پہلا حملہ ناکام بنا دیا گیا ، گذشتہ ماہ ایک اور دستہ میدانی علاقے میں مجاہدین پر حملے کے لئے بھیجا گیا ، اس دستے کے پاس ٹینکوں کے علاوہ ۱۴۰ ملی میٹر دہانے کی بہت سی توپیں بھی تھیں ۔ یہ جنگ صرف ۹ گھنٹے چلی ، سرکاری فوج پسپا ہوئی ، دو ہفتے بعد تیسرا اور زیادہ بڑا حملہ کیا گیا ، اور اس میں دو ہزار فوجی ، ۱۸ ٹینک ، ۱۴۰ ملی میٹر کی ۱۲ توپیں اور متعدد طیارے اور ہیلی کاپٹر شریک تھے ، وردک اور ہزارہ نے جان لڑا دی اور تربیت یافتہ مجاہدین کے دوش بدوش آٹھ دن تک لڑتے رہے ، اس جنگ میں بھی بالآخر مجاہدین کو سرفرازی حاصل ہوئی ، دو سو کرائے کے فوجی قتل ہوئے ، جن میں افسروں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی ، ۵ روسی مشیر بھی اس جنگ میں مارے گئے ، اگرچہ جنگ پوری طرح ختم نہیں ہوئی

لیکن گزشتہ دو مہینوں سے حکومت کو اس علاقے پر کوئی نیا حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

مجاہدین کا نیا انداز

حال ہی میں بلوچستان کی سرحد کے ساتھ واقع صوبہ زابل میں مجاہدین کی سرگرمیوں کو نئی زندگی ملی ہے۔ ایک اہم فوجی کمانڈر مظفر الدین بارہ سو فوجیوں سمیت مجاہدین سے آملا ہے، مظفر الدین نے متعدد خفیہ ٹھکانوں پر تیز رفتار گوریلا رضاکار دستوں کی تربیت کی ہے۔ ان کے ٹھکانے عام طور پر پہاڑوں میں ہیں، یہ دستے کسی سمت سے اچانک نیچے اترتے ہیں اور کسی اہم سرکاری دفتر، چوکی یا فوجی دستے پر حملہ کر کے واپس اپنی کمین گاہ میں جا چھپتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف سرکاری طاقت کو زک پہنچانا اور پراگندہ رکھنا ہے۔ اس ماہ کے آغاز میں اس صوبے کے حریت پسند چھاپہ ماروں نے کابل، قندھار روڈ پر ایک کارواں پر حملہ کیا، جو فوج کی حفاظت میں قندھار سے کابل جا رہا تھا۔ ایسے کارواں کی حفاظت کے لئے ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور بعض اوقات ہیلی کاپٹر بھی ہمراہ چلتے ہیں۔ اس کارواں کو بھی ٹینکوں، توپوں اور ہیلی کاپٹروں کا کور حاصل تھا، مجاہدین کے دستے نے اچانک حملہ کر کے متعدد ٹینکوں کو ناکارہ کر دیا، سامان کی بسیں نذر آتش کر دیں، کئی فوجی مارے گئے، دو مجاہد کیپٹن محمد عیسیٰ اور محمد امین خان شہید ہوئے۔

مجرم کیفر کردار کو پہنچے

زابل ہی میں شاہ جوئی نام کی ایک تحصیل ہے، یہاں مجاہدین نے اتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ باقاعدہ ان کا اپنا عدالتی نظام قائم ہے، جہاں کمیونسٹ مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس علاقہ میں حکومت نے جو نام نہاد دفاع کمیٹی بنائی تھی، اس کے سربراہ ایک اہم ممبر حاجی حیات اور دس دوسرے ارکان کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ سرسری سماعت کے بعد ان لوگوں کو عدالت کی طرف سے ان کے بھیانک جرائم کے بدلے موت کی سزا دی گئی، جس پر فوری عملدرآمد کیا گیا۔

اس سے پہلے مجاہدین شاہ جوئی کے جیل پر قبضہ کر کے تمام سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کرا چکے ہیں، شاہ جوئی کے کئی سرکاری دفاتر پر بھی مجاہدین کا قبضہ ہے۔

کابل کے مشرق میں واقع صوبہ لغمان بھی ان صوبوں میں سے ہے، جہاں مجاہدین اور سرکاری فوجوں کے مابین آمنے سامنے جنگ ہو رہی ہے۔

علی شنگ، دولت آباد وغیرہ پہلے سرکاری تسلط سے آزاد کرا لئے گئے تھے، مگر بعد میں سرکاری فوج نے بڑا حملہ کر کے یہ علاقے دوبارہ چھین لئے تھے۔ ۲۰ دسمبر کی رات حریت پسندوں کا ایک گوریلا دستہ اچانک تیرگنگ نامی ایک علاقے میں فوج کے ایک پڑاؤ پر حملہ آور ہوا، جو چیز سامنے آئی اسے تباہ کر دیا اور ۱۵ فوجیوں کو بھی ہلاک کر دیا، اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ حکومت نے باغیوں کو سزا دینے کے لئے بارہ سو جوانوں اور افسروں پر مشتمل فوج روانہ کی، اس فوج کو بھی ٹینکوں، توپوں اور ہیلی کاپٹروں سے لیس کیا گیا تھا، یہ فوج بے گناہ بستیوں میں تباہی مچاتے آگے بڑھی، مگر ہواؤں کو کس نے پکڑا ہے، دن کی روشنی میں انھوں نے تمام علاقہ دوبارہ فتح کر لیا ہے، مگر رات کی تاریکی میں حریت پسند ان پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے، دو ٹینک اور متعدد فوجی گاڑیاں تباہ کر دیں، اور تیس فوجیوں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ حکومت کے اہل کار اپنے زخم چاٹتے رہ گئے۔

بقیہ گذشتہ :- کوئی الگ کرنے کیلئے تیار ہوں مگر جو لوگ مجھ پر تنقید کرتے ہیں انھوں نے خود کام سنبھالا نہ انھوں نے کوئی آدمی دیا۔ آپ اب مجھے کوئی آدمی دیدیں، میں ابھی شاہ صاحب کو رخصت کئے دیتا ہوں، میں ان کی رہنمائی کا معترف ہونے کے باوجود انکو صرف اس لئے الگ کر سکتا کہ انکی جگہ کسی اور آدمی کو رکھتا تو وہ گوارا تھا، یہی انقلاب کا تقاضا تھا۔ اب جو ہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تحریک کا رکن مرکزی جماعت کا ایک اجتماع کر لیا جائے اور اس میں یہ مسئلہ پیش کر دیا جائے، بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ میری اور آپ کی یہ تحریریں بھی پوری جماعت کے سامنے رکھ دی جائیں۔

ابوالاعلیٰ

بقیہ رئیس المنافقین کا جنازہ از صہ ۳

واپسی کے بعد اس کا انتقال ہوا ہے، تو نبی کیسے اس کے کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنی قمیص مبارک دیں گے، اور کیسے آپ ممانعت کے باوجود نماز جنازہ پڑھائیں گے؟ نبی بلاشبہ رؤف و رحیم ہوتا ہے، اور اخلاق کریمانہ اور عفو و درگزر کا پیکر ہوتا ہے، لیکن یہ اسی وقت تک کے لئے ہوتا ہے، جب خدا کی طرف سے ممانعت نہ آچکی ہو، خدا کے حکم کے بعد ہدایت کی خلاف ورزی نبی کے لئے ناممکن ہے۔ پھر اس کی رحمت و شفقت اور تالیف و دلجوئی عام انسانی معاشرے کے لئے ہوتی ہے، اگر یہ رحمت و شفقت مضر اثرات پیدا کرے، تو اس سے خدا نے روک دیا ہے۔ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (النور) پھر ان کے بیٹے، جو مخلص مسلمان ہیں، وہ کس طرح ایک منافق اگرچہ وہ رشتہ میں باپ ہے) کے لئے کرتا مانگتے، اور نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کرتے؟ یہ بات کہ شفقت پدری غالب آگئی، اور اپنے باپ کے احسانات سے مغلوب ہو گئے اسی وقت تصور کیا جا سکتا ہے، جب کہ خدا کی طرف سے ممانعت نہ آتی، کیونکہ یہ وہی بیٹے تو ہیں جو مدینہ پہنچنے سے پہلے اپنے باپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کہ جب تک اللہ کے رسول مدینہ میں داخلہ کی اجازت نہ دیں، تم اپنے پاؤں آگے نہیں بڑھا سکتے، چنانچہ اس نے معافی مانگی، تب اس کے بیٹے نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی۔

اگر شان نزول کی روایتوں کو ماننا ضروری ہے، تو پھر اس کو زیادہ ضروری یہ بات ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں ان منافقوں سے پہلے اس کا انتقال ہوا ہے

یہ بڑی قابل لحاظ بات ہے کہ شارح بخاری امام داؤدی نے دیکھا کہ قرآن کچھ کہتا ہے اور شان نزول کی روایتیں اس کے برخلاف کچھ اور کہتی ہیں، تو انھوں نے ان احادیث کا انکار کر دیا کیونکہ متفق علیہ اصول یہ ہے کہ اگر قرآن و احادیث میں بظاہر تعارض نظر آئے تو حتی الامکان تطبیق کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو قرآن کو اپنانا اور حدیث کو ترک کرنا ضروری ہے۔

شان نزول کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت ۸۰ میں اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ "او" تخییر کو مانا گیا ہے یعنی استغفار کریں یا نہ کریں، حالانکہ یہ "او" تخییر کے لئے کبھی نہیں ہو سکتا، یہ تو سورۃ منافقون کی مندرجہ ذیل آیت کا ہم مضمون ہے:- سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (آیت ۶) یعنی ان کے لئے برابر ہے آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا، اللہ انھیں کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ استغفر اور لا تستغفر یہ جملہ انشائیہ نہیں، بلکہ جملہ خبریہ ہے، اپنے الفاظ میں اس کی عربی عبارت یوں ہوگی۔ اِسْتِغْفَارُكَ لَهُمْ وَتَرْكُكَ اِسْتِغْفَارَكَ لَهُمْ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ۔ "او بمعنی واو" قرآن، احادیث اور کلام عرب میں بکثرت آیا ہے۔

میں اہل علم حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ قرآن کی محولہ بالا آیتیں بہ امعانِ نظر پڑھیں اور میری اس کشمکش کو دور فرمائیں، یہ بات کہ مدینہ واپسی کے کچھ دنوں کے بعد جب آپ رئیس المنافقین کی جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ اگر یہ تبوک سے واپسی کے بعد نازل ہوئی، تو ان آیتوں کے بیچ میں اسے کیوں رکھا گیا جو مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل ہو چکی ہیں؟ مجھے یاد آتا ہے کہ شیخ محمد رشید رضا مرحوم نے اس مسئلہ پر تفسیر المنار میں کچھ لکھا ہے، اسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے، میرے پاس اس وقت تفسیر المنار نہیں ہے۔